کتاب و سنت اور اسلافِ اُمت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد
حیدرآباد

Volume:12 Issue: 6 June 2019

مُدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

اشرف الجرائد کی توسیع و اشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

عام رشتہ داروں کے حقوق کا اہتمام

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ (سورۃ الاسراء)

ترجمہ: اور قرابت دار کو اس کا حق (مالی وغیر مالی) دیتے رہنا اور محتاج و مسافر کو بھی (ان کے حقوق) دیتے رہنا اور (مال کو) بے موقع مت اڑانا بیشک بے موقع مال اڑانے والے شیطان کے بھائی بند ہیں (یعنی اس کے مشابہ ہوتے ہیں) اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکر ہے (کہ حق تعالیٰ نے اس کو عقل کی دولت دی اس نے اس دولتِ عقل کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کیا اس طرح فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے مال کی دولت دی مگر وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرتے ہیں۔) اور اگر کسی وقت تمہارے پاس ان لوگوں کو دینے کے لئے مال نہ ہو اور اس لے، تم کو اس رزق کے انتظار میں جس کی اپنے پروردگار سے توقع ہو۔ (اس کے نہ آنے تک، اُن سے پہلو تہی کرنا پڑے، تو اتنا خیال رکھنا کہ، اُن سے نرمی کی بات کہہ دینا، یعنی دلجوئی کے ساتھ ان سے وعدہ کرلینا کہ انشاء اللہ تعالیٰ کہیں سے آئے گا تو دیں گے دل آزار جواب مت دینا)

تشریح: پچھلی آیتوں میں والدین کے حقوق اور ان کے آداب واحترام کی تعلیم تھی اس آیت میں عام رشتہ داروں کے حقوق کا بیان ہے کہ ہر رشتہ کا حق ادا کیا جائے جو کم سے کم ان کے ساتھ حسن معاشرت اور عمدہ سلوک ہے اور وہ اگر حاجتمند ہوں تو ان کی مالی امداد بھی اپنی وسعت کے مطابق اس میں داخل ہے اس آیت سے اتنی بات تو ثابت ہوگئی کہ ہر شخص پر اس کے عام رشتہ دار عزیزوں کا بھی حق ہے۔ وہ کیا اور کتنا ہے اس کی تفصیل مذکور نہیں مگر عام صلہ رحمی اور حسن معاشرت کا اس میں داخل ہونا واضح ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک

اسی فرمان کے تحت جو رشتہ دار ذی رحم محرم ہو اگر وہ عورت یا بچہ ہے جن کے پاس اپنے گذارہ کا سامان نہیں اور کمانے پر بھی قدرت نہیں اسی طرح جو رشتہ دار ذی رحم محرم اپاہج یا اندھا ہو اور اس کی ملک میں اتنا مال نہیں جس سے ان کا گذارہ ہو سکے تو ان کے جن رشتہ داروں میں اتنی وسعت ہے کہ وہ ان کی مدد کر سکتے ہیں ان پر ان سب کا نفقہ فرض ہے اگر ایک ہی درجہ کے کئی رشتہ دار صاحب وسعت ہوں تو ان سب پر تقسیم کر کے ان کا گذارہ نفقہ دیا جائے گا، سورۂ بقرہ کی آیت **وعلی الوارث مثل ذالك** سے بھی یہ حکم ثابت ہے۔(تفسیر مظہری) اس آیت میں اہل قرابت اور مسکین ومسافر کو مالی مدد دینے اور صلہ رحمی کرنے کو ان کا حق فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ دینے والے کو ان پر احسان جتانے کا کوئی موقع نہیں کیونکہ ان کا حق اس کے ذمہ فرض ہے دینے والا اپنا فرض ادا کر رہا ہے کسی پر احسان نہیں کر رہا۔

تبذیر یعنی فضول خرچی کی ممانعت: فضول خرچی کے معنی کو قرآن حکیم نے دو لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے ایک تبذیر اور دوسرے اسراف، تبذیر کی ممانعت تو اسی آیت مذکورہ میں واضح ہے اسراف کی ممانعت آیت **ولا تسرفوا** سے ثابت ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں کسی معصیت میں یا بے موقع بے محل خرچ کرنے کو تبذیر واسراف کہا جاتا ہے اور بعض حضرات نے یہ تفصیل کی ہے کہ کسی گناہ میں یا بالکل بے موقع بے محل خرچ کرنے کو تبذیر کہتے ہیں اور جہاں خرچ کرنے کا جائز موقع تو ہو مگر ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے اس کو اسراف کہتے ہیں اس لئے تبذیر بہ نسبت اسراف کے اشد ہے کہ مبذرین کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔

امام تفسیر حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی اپنا سارا مال حق کے لئے خرچ کر دے تو وہ تبذیر نہیں اور اگر باطل کے لئے ایک مد (آدھ سیر) بھی خرچ کرے تو وہ تبذیر ہے۔حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ: غیر حق میں بے موقع خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے۔(مظہری) امام مالکؒ نے فرمایا کہ تبذیر یہ ہے کہ انسان مال کو حاصل تو حق کے مطابق کرے مگر خلاف حق خرچ کر ڈالے اور اس کا نام اسراف بھی ہے اور یہ حرام ہے۔(قرطبی)

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ: حرام وناجائز کام میں تو ایک درہم خرچ کرنا بھی تبذیر ہے اور جائز ومباح خواہشات میں حد سے زیادہ خرچ کرنا جس سے آئندہ محتاج فقیر ہو جانے کا خطرہ ہو جائے یہ بھی تبذیر میں داخل ہے، ہاں اگر کوئی شخص اصل راس المال کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے منافع کو اپنی جائز خواہشات میں وسعت کے ساتھ خرچ کرتا ہے تو وہ تبذیر میں داخل نہیں۔(قرطبی)

تیسری آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے واسطے سے پوری امت کی۔۔۔(بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے

حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ، فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا، أَوْ نَصْرَانِيًّا، وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس سفرِ حج کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری میسر ہو جو بیت اللہ تک اس کو پہونچا سکے، اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے اُن لوگوں پر جو اُس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں‘‘۔

تشریح: اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے بڑی وعید ہے جو حج کرنے کی اسطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کریں، فرمایا گیا ہے کہ ان کا اس حال میں مرنا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا گویا برابر ہے (معاذ اللہ) یہ اسی طرح کی وعید ہے جس طرح ترک نماز کو کفر وشرک کے قریب کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٣١﴾ (سورۃ الروم) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکِ صلوٰۃ مشرکوں والا عمل ہے۔

حج فرض ہو جانے کے بعد حج نہ کرنے والوں کو مشرکین کے بجائے یہود ونصاریٰ سے تشبیہ دینے کا راز یہ ہے کہ حج نہ کرنا یہود ونصاریٰ کی خصوصیت تھی کیوں کہ مشرکینِ عرب حج کیا کرتے تھے؛ لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے تھے، اس لئے ترکِ نماز کو مشرکوں والا عمل بتلایا گیا۔

اس حدیث میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے لئے جو سخت وعید ہے اس کے لئے

''سورۂ آلِ عمران'' کی اس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کی سند پیش کی گئی ہے جس میں حج کی فرضیت کا بیان ہے یعنی'' وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا '' لیکن معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے صرف حوالہ کے طور پر آیت کا یہ ابتدائی حصہ پڑھنے پر اکتفا کیا، یہ وعید آیت کے جس حصے سے نکلتی ہے وہ اس کے آگے والا حصہ ہے، یعنی ''وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ '' (جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کے بعد جو کوئی کافرانہ رویہ اختیار کرے یعنی باوجود استطاعت کے حج نہ کرے تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں، وہ ساری دنیا اور ساری کائنات سے بے نیاز ہے) اس میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے رویہ کو ''مَنْ كَفَرَ'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور'' إِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ '' کی وعید سنائی گئی ہے، اس کا مطلب یہی ہوا کہ ایسے ناشکرے اور نافرمان جو کچھ بھی کریں اور جس حال میں مریں اللہ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں۔

(''استطاعت'' کے مضمون کی وضاحت ایک دوسری روایت میں ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے) کہ: ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُس نے پوچھا کہ: کیا چیز حج کو واجب کر دیتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سامانِ سفر اور سواری۔

یعنی قرآن مجید میں فرضیتِ حج کی شرط کے طور پر ''مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ''یعنی حج اُن لوگوں پر فرض ہے جو سفر کر کے مکۂ معظّمہ تک پہونچنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ اس میں جو اجمال ہے غالباً سوال کرنے والے صحابیؓ نے اس کی وضاحت چاہی اور دریافت کیا کہ اس ''استطاعت'' کا متعین معیار کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ ایک تو سواری کا انتظام ہو جس پر مکۂ معظّمہ تک سفر کیا جا سکے، اور اس کے علاوہ کھانے پینے جیسی ضروریات کے لئے اتنا سرمایہ ہو جو اس زمانۂ سفر کے گُزارے کے لئے کافی ہو۔ فقہائے کرام نے اس گُزارے میں اُن لوگوں کے گزارے کو بھی شامل کیا ہے جن کی کفالت جانے والے کے ذمہ ہو۔

(معارف الحدیث: ۴/ ۱۹۲)

(اس لئے اصحابِ ثروت وذی حیثیت، ثرمایہ دار مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے احوال پر غور کریں، کیا واقعی اُن پر حج فرض ہو گیا ہے؟ اور وہ اس جانب اب تک توجہ نہیں دے سکے ہیں، فوری توجہ کرنے اور فریضۂ حج کی ادائیگی کی فکر ضروری ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آج کل، آج کل میں وقت نکل جائے اور فرستادۂ رب ہمیں لے جانے کے لئے آجائے اور ہمارے ذمہ اللہ کا ایک فریضہ رہ جائے، اسی حال میں پیشی ہوگی تو ہم مجرموں کی صف میں شامل ہو جائیں گے اور حدیث میں ذکر کردہ وعید کے مطابق سزا کے مستحق قرار پائیں گے۔)

اللہ تعالیٰ ہم میں سے اصحابِ استطاعت کو فریضہ حج کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا

از: مدیر

گذشتہ پانچ برس آزاد ہندوستان کی تاریخ میں اغنیاء نوازی، رعایا کُشی، اور خود غرضی کے اعتبار سے ظالم حکم رانی کا ایک سیاہ باب رقم کریں گے، یوں تو حکومتوں میں یہ سب ہوتا رہا ہے مگر جس منظم انداز اور باضابطہ منصوبے کے تحت ہوا ہے وہ شائد پہلی مرتبہ ہی ہوا ہے، خالص یہودی سوچ اور اسرائیلی طرز و انداز مرکزی حکومت پر پوری طرح غالب رہا، یعنی عوامی محنت کی کمائی مختلف حیلوں سے چھین کر دولت مندوں کی دولت بڑھائی گئی، لٹیروں کو پورے اطمینان اور تحفظ کے ساتھ ملکی خزانوں کو لے کر دوسرے ملکوں میں بھاگ جانے کے مواقع ملے، نوٹ بندی اور جی ایس ٹی نے کاروباریوں کی کمر توڑ دی، گاؤ رکھشک کے نام پر مُسلم کُشی ہوتی رہی، حکومت سے وابستہ کئی لوگ کُھلے بندوں جرائم کے مرتکب ہوتے رہے، ریپ کے واقعات میں اضافہ ہوا جن میں اکثر کم زور اقوام کی عورتیں شکار ہوئیں، جنہیں قانونی انصاف تک پہونچنے کی راہیں بھی نہیں دی گئیں، کاشت کاروں کی خود کُشیاں اور ناراضگیاں بڑھتی رہیں، غرض حکومت ہر شعبے میں ناکام ہوتی رہی اور اس کے باوجود ٹس سے مَس نہیں ہوئی اور پی ایم کبھی کسی مسئلے میں جواب دہی کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، جس کی وجہ سے ملک میں تمام اقوام، جماعتوں اور شعبوں میں بے چینی و ناراضگی پیدا ہوگئی تھی۔

خدا خدا کر کے میعاد انتخاب مکمل ہوئی اور الیکشن کمیشن نے الیکشن کا بگل بجا دیا، اسی کے ساتھ ہر طرف ہل چل اور تیاریوں کا آغاز ہوگیا، اپوزیشن پارٹیاں مخالف بی جے پی اتحاد بنانے میں مشغول ہوگئیں اور خود بی جے پی پارٹیوں میں افتراق و کشاکش بڑھانے میں جُٹ گئی، خدا جانے کس مصلحت سے الیکشن کمیشن نے اس دفعہ انتخابات کو طویل المیعاد کر کے متفرق جگہوں پر متفرق تاریخیں طئے کیں، اس سے حکمراں بی جے پی اور اپوزیشن کو

ایک دوسرے کے خلاف اظہارِ رائے، الزام تراشی اور سخت کلامی کا خوب موقع ملا، اپوزیشن نے اقلیت نوازی، کسانوں کی حمایت اور حکومتی پالیسیوں کو ناکام دکھانے کو اِشو بنایا اور پی ایم مودی نے دہشت گردی، سرحدوں کی حفاظت اور اکثریت نوازی کے مسائل کو اُٹھایا، نیز اس دفعہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے انتخابی ضابطۂ اخلاق کی خلاف ورزیوں اور شخصیات کی تنقیص میں بھی کسر اٹھا کے نہ رکھی گئی، خود الیکشن کمیشن بھی جانب داری کے الزامات سے محفوظ نہ رہ سکا۔

غرض خوب جوش وخروش، سرگرمیوں اور جارحانہ حملوں کے درمیان انتخابی عمل تکمیل کو پہونچا، پھر جب نتائج کے لئے قیاس آرائیوں اور تخمینوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ملک کے اہم میڈیا ز نے بی جے پی کے غلبے کو یقینی بتلایا مگر حالات اور ماحول پوری قوت سے اس کو جھٹلا رہے تھے، محتاط زبان وقلم یہ کہہ رہے تھے کہ بی جے پی اگر ہار نہ بھی گئی تو مشکل ہی سے جیت پائے گی، تاہم جب ۲۳ ؍تاریخ کو نتائج کے رجحانات کا سلسلہ شروع ہوا تو صبح ۱۱ ؍بجے ہی سے بی جے پی کو اکثر سیٹوں پر غالب بتایا جاتا رہا، سہ پہر تک بی جے پی کی غالب اکثریت کے ساتھ جیتنے اور تنہا حکومت بنالینے کا یقین تمام تخمینوں اور قیاس آرائیوں پر پانی پھیر گیا، اپوزیشن کی طرف سے شکست تسلیم کی جانے لگی، اہم شخصیتوں نے پارٹی کے اپنے عہدوں سے استعفیٰ کا پیشکش کردیا، مودی کے لئے عالمی قائدین کے پیغامات آنا شروع ہو گئے، خود اپوزیشن لیڈروں نے بھی مبارکبادی پیش کردی اور نتیجے کو بی جے پی یا پی ایم مودی پر عوامی اعتماد کا مظہر کہا جانے لگا، جو اندیشے اور الزامات چند دن قبل مخالف قائدین کی زبانوں پر تھے وہ یکلخت بھلا دیئے گئے، گویا انتخابات کے دیانتدارانہ ہونے، مشینوں کے غلط استعمال نہ ہونے، اور رعایا کے سابقہ حکومت کی شفافیت پر مکمل اعتماد رکھنے کے بی جے پی کے دعویٰ کو سند صداقت بخش دی گئی، زبردستی ہی سہی سب کچھ بُھلا دیا گیا، اس موضوع پر گفتگو اب تقریباً ختم ہوگئی ہے۔

پی ایم مودی نے پارلیمانی ممبرز کی میٹنگ میں پارٹی ارکان کو مبارک بادی دی اور اُن کی محنتوں کا شکریہ ادا کیا، ساتھ ہی حکومت کی سابقہ کارکردگی اور پالیسی کو اطمینان بخش، رعایا نواز اور مُدبّرانہ قرار دیا، خاص بات یہ رہی کہ اقلیتوں کو اس موقعہ پر یاد رکھا اور اُن کے حق میں اچھے عزائم کا اظہار کرتے ہوئے ارکانِ جماعت کو خیال رکھنے کی ہدایت دی، تاہم اِن سطور کی تحریر تک مُسلم کشی کے کئی تازہ واقعات سامنے آچکے ہیں، بی جے پی ورکرز کی بنگال میں جارحیت تیزی سے جاری ہے اور حالات میں کچھ بہتری کے آثار فی الحال ظاہر نہیں ہیں۔

یہ صورتِ حال اگرچہ ملک کی اکثریت نواز ذہنیت کے لئے تو یقیناً خوش گوار اور فتح وکامیابی کی ہے، اور اسی وجہ سے نتائج کے دن سے پہلے والی رات ہی میں مٹھائیوں کی تقسیم اور خوشیوں کا اظہار شروع ہو گیا تھا، لیکن

اپوزیشن پارٹیوں کے بہ شمول تمام اُن لوگوں کے لئے ــــ جن میں مسلمان بھی شامل ہیں ــــ جو بی جے پی کی سابقہ طرزِ حکم رانی سے ناراض تھے اور مُلک میں تبدیلی کو ضروری سمجھتے اور اُس کی غالب امید بھی رکھتے تھے اُن لوگوں کے لئے حیرت ناک اور ناقابلِ فہم رہی اور سب کی سٹّی گُم کرگئی، فی الحال احزابِ مخالف بدترین شکست کے صدمے سے دوچار ہیں اور اُن کے ترجمانوں کی زبان خاموش ہے، آئندہ مُلک کے حالات کیا بنتے ہیں یہ وقت ہی بتا سکتا ہے۔

چوں کہ عامۂ مسلمین بھی اپنے تشخص اور ملی مسائل کو درپیش خطروں اور اندیشوں کے حوالے سے تبدیلی کے خواہش منداور امیدوار تھے، علماء اور عوام سب دعائیں کررہے تھے، حرمین شریفین میں تک دعائیں ہورہی تھیں، پر نتیجہ توقعات کے بالکل برخلاف سامنے آیا تو ایک طرح کی مایوسی اور دل شکنی ہونے لگی، میں نے اگلے دن جمعہ کے خطاب میں چند معروضات رکھی تھیں، وہی قارئین کی خدمت میں اختصار کے ساتھ پیش کررہا ہوں۔

۱ء ہم مسلمانوں کو سب سے پہلے اس بات کا استحضار رکھنا چاہیئے کہ اللہ نے ہمیں دعامانگنے کا حکم دیا اور قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے جو بالکل برحق ہے اور اس میں تخلف نہیں ہوسکتا، پس ہماری دعائیں قطعاً رد نہیں ہوئیں ضرور قبول ہوئی ہیں، تاہم قبولیت کبھی بعینہٖ ہوتی ہے، کبھی بغیرہٖ ہوتی ہے کبھی باحسنہٖ ہوتی ہے، اسی طرح کبھی علی الفور ہوتی ہے کبھی علی التراخی، اور اگر کسی طرح بھی قبول نہیں ہوئیں تو پھر ذخیرۂ آخرت کردی جاتی ہیں، آخرت میں قبولیت ظاہر ہوجائے گی، اس لئے اس حوالے سے تو بالکل فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ۔

۲ء بہت مرتبہ آدمی اپنے لئے ایسی باتوں کی آرزو کرتا ہے جو اس کے حق میں بہتر نہیں ہوتیں بلکہ مُضر ہوتی ہیں، مگر وہ اپنے علم وعقل کی محدودیت سے معذور ہوتا ہے، اب اگر اللہ تعالیٰ اپنے لامحدود علم کی روشنی میں بندے کے لئے مُضر جانتے ہوئے بھی اس کی دعا اسی طرح قبول کرلیتا ہے تو بندہ اپنی ہی جہالت کی بنا پر مصیبت جھیلنے اور پچھتانے پر مجبور ہوجاتا ہے، اس لئے حق تعالیٰ کی رحمت بندے کی ناعاقبت اندیش تمنا کو رد کردیتی ہے اور اس کے لئے جو بہتر ہے اس کو مقدر فرمادیتی ہے۔ عَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ ۔

۳ء حق تعالیٰ بڑی قدرت والے ہیں وہ کسی کام کے لئے وسائل وسائط کے محتاج نہیں ہیں، اس لئے بے شان وگمان راہوں سے نعمتیں عطا فرماتے ہیں، شر میں سے خیر کو وجود میں لانا اس کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے، اس لئے کبھی ظاہری شکلوں کو بعینہٖ قائم رکھتے ہوئے معنوی اثرات کو یکسر بدل دیتے ہیں، تاریخ میں اس کی

بے شمار مثالیں موجود ہیں، اس حقیقت کو بھی ایسے مواقع پر ملحوظ رکھنا اور حق تعالیٰ سے خیر ہی کے امیدوار رہنا چاہیئے -وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ

۴ یہ بھی سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم نے اپنی بدعملیوں کے ذریعہ ہی حالات کو خراب کرلیا ہے، دین وشریعت سے عملاً دوری اور کتاب وسنت کے احکامات سے عمداً لاپرواہی دن بہ دن روز افزوں ہے، جس طرح یہود ونصاریٰ نے توارت وانجیل اور آسانی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر استحقاقِ رحمت کھولیا تھا ہمارا معاملہ بھی تو قرآن وسنت کے ساتھ اسی قسم کا ہوتا جارہا ہے، اگر ہم اپنی ذات اور سماج پر اقامتِ قرآن وسنت کی فکر کرتے اور دین برحق کے عامل وداعی بنے رہتے تو یقیناً ہماری صورتِ حال اس سے دگر ہوتی جواَب ہے، وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ

۵ تبدیلی اور انقلاب کے لئے قوموں کا اجتماعی ذمہ داریوں کو پورا کرنا، اور نوجوانوں کا سرگرم عمل ہونا لازم ہوتا ہے، ہماری قوم کے نوجوانوں میں مذہبی شعور کے حوالے سے جو جمود وغفلت بڑھتی جارہی ہے تو وہ قابلِ فکر ہے ہی، سماجی وسیاسی ذمہ داریوں کا تو ان میں خواب وخیال بھی نہیں پایا جاتا ہے، حالات کچھ بھی ہوجائیں نت نئے فیشن میں مگن اور دینی، قومی، فلاحی وسیاسی محنتوں سے بالکل الگ اور بے خبر زندگی گذار رہے ہیں، تھوڑے بہت جو باشعور ہیں بھی تو وہ یا تو شخصی عبادات ورسومات کو کافی سمجھے ہوئے ہیں یا پھر مسلکی جھگڑے بڑھانے اور جماعتی شناخت بنانے میں لگے ہوئے ہیں، ملّی مسائل اور سماجی وسیاسی بصیرت سے اُنہیں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے، اس جگہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ والی آیت پر تدبّر کرکے بے حسی کی اس صورتِ حال سے قوم کو نکالنے پر بھی غور ہونا چاہیئے۔

۶ ہماری قیادتوں کے درمیان عدمِ اتفاق اور فکر وسوچ کا افتراق بھی نہایت قابلِ فکر مسئلہ ہے، آخر اب بھی اس مُلک کے مسلم قائدین اور منتخب ارکان پارلیمان متحدہ پالیسیوں کے ذریعہ پارلیمنٹ میں اپنی موجودگی کو ملک کے مسلمانوں کا طاقت ور اور مؤثر نمائندہ ثابت کریں گے یا نہیں؟ ستائیس ارکان اپنے حلقوں میں عوام کی اچھی خدمات انجام دیتے ہوئے مسلکی وفکری اختلاف سے بلند ہوکر ملّی وسیاسی مسائل کے لئے متحد ہوجائیں اور دیگر اقلیتی قائدین کو بھی ہم نوا بنالیں تو مُلک کی اقلیتوں کے مسیحا ثابت ہوسکتے ہیں۔

۷ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوچکی ہے کہ بی جے پی کی سیاسی پالیسی اپنی ہر مخالف قوت میں پھوٹ پیدا کرنا اور خودغرض وبے ضمیر لوگوں کو خرید کر برگشتہ کرنا ہی ہے، اسی پالیسی کو وہ اقلیتی وملّی طبقوں میں بھی

استعمال کر چکی ہے، گذشتہ میعاد میں اس کے کئی تجربے ہو چکے ہیں، اِن سطروں کی تحریر تک بھی یعنی مابعد انتخابات بھی پورے ملک میں خصوصاً علاقائی جماعتوں کی رہی سہی قوت توڑنے مشغولی کے واقعات سامنے آتے ہی جارہے ہیں، ملّی اتحادِعمل کی مساعی میں بی جے پی کی اس پالیسی کو نظرانداز نہ کرنا بلکہ چوکنا رہنا بھی مُسلم قائدین کے لئے بہت ضروری ہے۔

حق تعالیٰ اپنا فضل شامل حال فرمائے اور تمام اہلِ ایمان کو پورے عالم میں امن نصیب فرمائے، امن وخوش حالی کے اسباب ظاہری وحقیقی دونوں کو تدبُّر کے ساتھ اختیار کرنے کی طرف رہنمائی فرمائے۔ آمین والسلام علی النبی الکریم۔

(بقیہ از صفحہ ٦ سے)

عجیب اخلاقی تربیت ہے اگر کسی وقت ضرورت مند لوگ سوال کریں اور آپ کے پاس دینے کو کچھ نہ ہو اس لئے ان لوگوں سے اعراض کرنے پر مجبور ہو تو بھی آپ کا یہ اعراض مستغنیانہ یا مخاطب کے لئے توہین آمیز نہ ہونا چاہئے بلکہ پہلوتہی کرنا اپنے عجز ومجبوری کے اظہار کے ساتھ ہونا چاہئے۔

اس آیت کے شانِ نزول میں ابن زید کی روایت یہ ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مال کا سوال کیا کرتے تھے اور آپ کو یہ معلوم تھا کہ ان کو دیا جائے تو یہ فساد میں خرچ کریں اس لئے آپ ان کو دینے سے انکار کردیتے تھے کہ یہ انکار اُن کو فساد سے روکنے کا ذریعہ ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

مسند سعید بن منصور میں بروایت سباء بن حکم مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ کپڑا آیا تھا آپ نے اس کو مستحقین میں تقسیم فرمادیا اور اس کے بعد کچھ لوگ آئے جب کہ آپ فارغ ہو چکے تھے اور کپڑا ختم ہو چکا تھا ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

حضرت معاذہ بنت عبداللہؓ

نام ونسب: معاذۃ بنت عبداللہ بن جریر الضریر بن امیہ بن حدارہ بن حارث بن خزرج، یہ مشہور قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتی تھیں اور اس دور میں اوس اور خزرج آپس میں جنگوں میں ایک دوسرے کی عورتوں کو باندی بنالیا کرتے تھے، یہ عبداللہ ابن اُبی رئیس المنافقین کی کنیز تھیں، قبول اسلام کے باعث اللہ نے ان کو آزادی کی نعمت سے سرفراز فرمایا، ان عظیم خواتین سے تعلق رکھتی ہیں، جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی سعادت حاصل کی۔ (اسد الغابۃ: ۷/۲۵۷)

نکاح: حضرت معاذہ بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سہل بن قرظہ سے ہوا، ان کے انتقال کر جانے یا طلاق دینے کے بعد دوسرا نکاح حمیر بن عدی القاری سے ہوا، انہوں نے طلاق دی تو تیسری شادی عامر بن عدی سے کی، پہلے شوہر سہل بن قرظہ سے دو اولاد ہوئیں، ایک لڑکا عبداللہ بن سہل اور ایک لڑکی ام سعید بنت سہل، دوسرے شوہر حمیر بن عدی سے جڑواں لڑکے حارث اور عدی پیدا ہوئے، اور ایک لڑکی ام سعد پیدا ہوئی، تیسرے خاوند عامر بن عدی سے صرف ایک لڑکی ام حبیب بنت عامر تولد ہوئیں۔

علم وفضل: الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ بہت بڑی عالمہ وفاضلہ اور معلمہ تھیں، وہ سخاوت وعادات کے لحاظ سے نہایت بلند مرتبہ پر فائز تھیں، صدقات وخیرات بڑی وسعت دلی سے کیا کرتیں، بلند حوصلہ اور ذکی وذہین خاتون تھی، ضرورت مندوں کے کام آتیں، اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کے لئے ہروقت تیار رہتیں، لوگوں کا سودا سلف لاتیں اور بوڑھی عورتوں کی خدمت کرتیں، زبان میں اثر اور زور تھا، ایک عرصے تک مشہور منافق عبداللہ بن ابی بن سلول کی کنیز اور باندی رہیں، لیکن زندہ ضمیر تھیں، جذبات تیز تھے، ذہن آزاد تھا اور فکر میں روانی تھیں نہ خود کسی پر ظلم کرتیں اور نہ کسی پر ظلم ہوتا ہوا دیکھ سکتی، اسلامی کی بڑی خادمہ تھیں۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۴/۱۹۱۳، دارالجیل بیروت) ۔۔۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ ۱۹ پر)

* رفیق تصنیف دارالدعوۃ والارشاد، حیدرآباد، واستاذ حدیث دارالعلوم دیودرگ

دعوت فکر وعمل

ایک خاص اور اہم دعا

حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ

یہ دنیا اور اس دنیا کی زندگی عارضی ہے اور مختلف حالات وحادثات کی آماجگاہ بھی! جو قومیں اسی دنیا کو زندگی کا محور ومقصد قرار دیے ہوئے ہیں، ان کے لحاظ سے اس دنیا کی راحت بھی اہم ہے اور اس کی تکلیف وجراحت بھی سنگین ہے، ان قوموں کی ناکامی یہ ہے کہ زندگی تکلیف ومصیبت میں گزرے، اور کامیابی یہ ہے کہ وہ دولت وثروت، عزت وحکومت کی راحت میں بسر ہو، لیکن یہ ان لوگوں کا حال ہے، جو آخرت کی زندگی سے غافل ہیں، اور دنیا کی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہیں۔ یَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۖۚ وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ۝ (سورۃ الروم) یہ لوگ دنیاوی زندگی کے صرف ظاہر کو جانتے ہیں، اور وہ آخرت سے یکسر غافل ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوۡا بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَاطۡمَاَنُّوۡا بِهَا وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوۡنَ۝ (جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، اور وہ دنیاوی زندگی ہی پر راضی اور مطمئن ہیں، اور وہ جو ہماری آیات سے غافل ہیں) انسانوں کے اس طبقہ کا انجام کیا ہے؟ فرماتے ہیں: اُولٰٓـئِكَ مَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ۝ (سورۂ یونس) یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا ان کے عمل اور کسب کے نتیجے میں جہنم ہے۔

انسانوں کا یہ طبقہ عدد کے اعتبار سے ہمیشہ اکثریت میں رہا ہے، اور اسی کثرت کی وجہ سے کائنات انسانی اکثر دھوکے میں رہی ہے کہ شاید یہی لوگ کامیاب ہیں، لیکن جس کا انجام جہنم ہو اسے کامیاب کیوں کر کہا جاسکتا ہے، رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَيۡتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ اے ہمارے رب! جسے آپ نے جہنم میں ڈال دیں، اسے آپ نے ذلت وخواری میں غرق کر دیا، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

اب کائنات انسانی کے دوسرے طبقے کا تذکرہ کتاب الٰہی میں پڑھئے: اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهۡدِيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِيۡمَانِهِمۡ ۚ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ فِىۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ۝ دَعۡوٰٮهُمۡ فِيۡهَا

سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعۡوٰٮهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۝۱۰ (سورہ یونس)
بے شک جولوگ ایمان لائے اورانھوں نے اچھے کام کیئے،ان کے کام کی بدولت ان کا رب راہ ہدایت پر انھیں چلاتا ہے، نعمتوں کی جنت میں ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس میں ان کی پکار سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ ہے، اوران کی مبارکباد سلام ہے، اورآخری پکار اَلۡحَمۡدُ اللّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ ہوگی۔

ان دونوں طبقوں کے درمیان خط فاصل اور امتیازی نشان کفراورایمان ہے، یہیں سے دونوں کی راہیں الگ ہوتی ہیں، ایک راہ کی انتہا ابدالآباد کی جہنم ہے، اوردوسری راہ کی انتہا دائمی عیش وراحت کی جنت ہے۔

دنیا کے موافق اورناموافق حالات سب پر آتے ہیں، خواہ وہ لوگ ہوں جوکفروشرک کی راہ پر چل رہے ہوں اورخواہ وہ لوگ ہوں جو ایمان وعمل صالح کی شاہراہ پر گامزن ہوں ۔لیکن ایمان اورکفر کی بنیاد پر ان حالات کے آثارونتائج الگ الگ ہوتے ہیں۔اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فرمان والاشان ملاحظہ کیجئے، امام مسلم علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الجامع الصحیح کی کتاب الزہد میں مشہور صحابئ رسول حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: عجباً لامر المومن، إن أمره كله له خير وليس ذلک لأحد إلا للمومن إن أصابته سراء شكر فكان خيراً له وإن أصابته ضراء صبر فكان خيراً له ،مومن کا حال بھی عجیب ہے، اس کا سب حال اس کے لئے خیر ہے، اور یہ بات مومن کے علاوہ اورکسی کو حاصل نہیں ہے، اگر وہ خوشحال ہوتا ہے، توشکر کرتا ہے، اوراس کے لئے خیر ہوتا ہے، اوراگر بدحالی میں گرفتار ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے، پس یہ بھی اس کے حق میں خیر ہوتا ہے۔

حالات ہر دور میں اور ہر جگہ بنتے بگڑتے ہیں، لیکن مومن کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ مومن ہے، حالات جیسے بھی ہوں، مومن کو ایمان کے تقاضے پر عمل کرنا ہے، وہ تقاضا شکرگزاری کا ہو یا صبر واستقلال کا، بہرحال دونوں اس کے حق میں خیر ہوں گے۔

آج کل حالات کی سنگینی میں اہل ایمان اپنے صاحب ایمان ہونے کو بھولنے لگتے ہیں، اور آفات ومصائب کی شکایت اس طرح کرنے لگتے ہیں، جیسے دنیا ہی کا نفع نقصان سب کچھ ہے، یہ حال اچھا نہیں ہے، مصائب خواہ انفرادی ہوں خواہ اجتماعی! اہل ایمان کے حق میں خیر کا پہلو رکھتے ہیں، ایسے وقت میں جب مصائب کی یلغار ہو، ایک مومن کا وظیفہ دو چیزیں ہیں، صبر اورتقویٰ! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـئًا ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ۝۱۲۰ (سورۂ آل عمران) اوراگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو، تو دشمنوں کی کوئی سازش تمہیں مضر نہ ہوگی، یہ حقیقت ہے کہ دشمن جو کچھ کرتے ہیں وہ سب

اللہ تعالیٰ کے احاطہ کی گرفت میں ہے۔ صبر کہتے ہیں طبیعت اور قلب کی مضبوطی اور جماؤ کو کہ مصائب کی آندھیاں اسے ہلا نہ سکیں، اور تقویٰ کہتے ہیں ہر اس کام سے بچ نکلنے کو جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی آتی ہو۔ یہ دونوں چیزیں مومن کی زندگی میں بڑی اہم ہیں، انھیں مضبوطی سے تھام لیا جائے تو بڑا اپختہ کارنامہ ہوگا۔ ایک اور آیت ملاحظہ ہو: لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ (سورۂ آل عمران)

(یاد رکھو!) ایسا ہونا ضروری ہے کہ تم جان و مال کی آزمائشوں میں ڈالے جاؤ، اور یہ بھی ضرور ہونا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکوں سے تمہیں دکھ پہونچانے والی باتیں بہت کچھ سننی پڑیں، اور اگر تم نے صبر کیا (یعنی مصیبتوں پر ثابت قدم رہے) اور تقویٰ کا شیوہ اختیار کیا (یعنی احکام حق کی نافرمانی سے بچتے رہے) تو بلاشبہ بڑے کاموں کی راہ میں یہ بڑے عزم و ہمت کی بات ہوگی۔

ان دونوں آیتوں پر غور کیجئے، مومن کے لئے نہ کہیں مایوسی ہے، اور نہ گھبراہٹ اور بے صبری ہے، یہ ایمان کی کمزوری ہے کہ آفات اور بلاؤں کی یورش میں آدمی گھبرا اُٹھے، فریق مقابل کے بالمقابل طیش میں آکر خلاف عقل وشرع بات اور حرکت کرنے لگے، اس سے اجتماعی طور پر مایوسی کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے، سیاست کا ظلم جب بڑھتا ہے تو مظلوم کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹنے لگتا ہے اور شریعت سے انحراف پیدا ہونے لگتا ہے، اس سے ظالم کا ظلم مزید بڑھ جاتا ہے۔

ہر مسلمان تک انفراداً بھی اور اجتماعاً بھی یہ پیغام پہونچا دینا چاہئے کہ مومن نہ بزدل ہوتا ہے کہ ذرا ذرا سی بات سے ڈر جائے، اور اس کا دل کمزور ہو جائے، یا موت کا خوف اس پر اس طرح طاری ہو جائے، جیسے یہ کوئی ہولناک خطرہ ہو، مومن کو زندگی سے بڑھ کر موت پیاری ہوتی ہے، کہ وہ دائمی عیش و راحت میں داخل ہونے کا واحد دروازہ ہے، نہ وہ بے صبرا ہوتا ہے، کہ ہر تکلیف پر چیخ اٹھے، وہ ایک مضبوط چٹان ہے، جس پر سینکڑوں طوفان بلا گزر جائیں، آندھیوں کے جھکڑ اس سے ٹکرائیں، سیلاب کی طغیانی اس کے پاؤں سر پٹکے، مگر وہ از جارفتہ اور حواس باختہ نہیں ہوتا، پھر ایسا بھی نہیں ہے وہ بے سہارا ہو، اس کا کوئی یار و مددگار نہ ہو، سنئے! عرش کی بلندیوں سے بشارت نازل ہو رہی اور قرآن بن کر ہمیشہ کی تسلی بن رہی ہے، ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ ﴿۱۱﴾ (سورۂ محمد) یہ (اہل ایمان کی فتح و نصرت اور کفار کی شکست و ریخت) اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے آقا و مولیٰ ہیں، اور اس لئے کہ کفار کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہے۔

مومن خود مضبوط ہوتا ہے، اور حق تعالیٰ کا سہارا اسے مضبوط تر بناتا ہے، اسے اس سہارے سے ایک لحظہ

کے لئے غافل نہیں ہونا چاہئے: اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝۱۶۰ (سورۂ آل عمران) (مسلمانو! اگر اللہ تمہاری مدد کرے، تو کوئی نہیں جو تم پر غالب آسکے، لیکن اگر وہی تمہیں چھوڑ دے، تو (بتلاؤ) کون ہے جو اس کے چھوڑ دینے کے بعد تمہارا مددگار ہوسکتا ہے؟ (یقین کرو) صرف اللہ ہی کی ذات ہے، پس جو مومن ہیں وہ اسی پر بھروسہ رکھیں۔

پس جب اہل ایمان کے پاس اتنا مضبوط، اتنا پختہ سہارا موجود ہے، تو انھیں کس بات کا اندیشہ ہے؟ البتہ یہ فریضہ بجالانا ہوگا کہ اس سہارے تک پہونچیں اور اسے حاصل کریں، اس سہارے تک کیونکر رسائی ہوگی؟ اس مسئلے کو خود اسی مہربان پروردگار نے حل کردیا ہے، فرماتے ہیں يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۝۱۵۳ (سورۃ البقرۃ) مسلمانو! صبر اور نماز کے ذریعہ سہارا پکڑو، یقین کرو! اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ صبر اور نماز کی قوتوں سے مدد لو، ان دونوں کی راہ سے تم طاقت اور سہارے کے سرچشمے تک پہونچ جاؤ گے، اور وہاں سے تم پر قوتوں کا فیضان ہونے لگے گا، صبر کی حقیقت یہ ہے کہ مشکلات ومصائب کے جھیلنے اور نفسانی خواہشوں سے مغلوب نہ ہونے کی قوت پیدا ہوجائے اور نماز کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر وفکر سے روح کو تقویت ملتی رہے، جس جماعت میں یہ دونوں قوتیں پیدا ہوجائیں گی، وہ کبھی ناکام نہیں ہوسکتی۔

صبر اور نماز یہ دو راہیں وہ ہیں جن کا تعلق براہ راست فتح ونصرت اور امداد وسہارے سے ہے، ان دونوں سے روگردانی کے بعد سہارے کی توقع خام خیالی ہے۔

ایک تیسری چیز اور ہے، جس کے واسطے سے آدمی کو خدا کا سہارا ملنا آسان ہوجاتا ہے، اور قرآن وحدیث میں اسے بہت اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور وہ ہے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاء ومناجات! قرآن کریم کی پہلی ہی سورہ میں اللہ تعالیٰ نے دعا کی تعلیم فرمائی ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

دعاؤں کا اشارہ پاکر ربوبیت والوہیت کے سب سے بڑے راز داں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تمام حاجات انسانی کو دعا کے پیرایہ میں ڈھال دیا ہے، اور نہایت تضرع وزاری سے حق تعالیٰ کی بارگاہ عالم پناہ میں انسانی ضروریات کو تفصیل کے ساتھ پیش کردیا ہے، سنت نبوی کا یہ عظیم الشان باب ہے، ایک زبردست لازوال خزانہ ہے، جو ایک مومن کے لئے بیش قیمت سرمایہ ہے۔

اس وقت ملت اسلامیہ پر جن حالات کی یلغار ہے، حدیثوں کے خزانے میں ایک اہم دعا ہے، جسے

ہر مومن کو حرزِ جان بنالینا چاہئے۔ یہ دعا رسول اللہ کی زبان مبارک سے ادا ہوئی ہے، اس لئے اس کے بابرکت اور مقبول ہونے میں شبہ نہیں۔ امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (درج ذیل) ان کلمات کے ذریعے اپنے اصحاب کے لئے دعا کئے بغیر اٹھ جاتے ہوں۔'' اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَامِنْ خَشْیَتِکَ مَاتحوْلُ بِہٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ وَمِنْ طَاعَتِکَ مَا تُبَلِّغُنَا بِہٖ جَنَّتَکَ وَمِنَ الْیَقِینِ مَا تَھَوِّنُ عَلَیْنَا مَصَائِبَ الدُّنْیَا اللّٰھُمَّ مَتِّعْنَا بِأسْمَاعِنَا وَأبْصَارِنَا وَقُوَّاتِنَا مَا أحْیَیْتَنَا وَاجْعَلْہُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصرنَاعَلٰی مَنْ عَادَانَا وَلَا تجعَلْ مُصِیْبَتَنَا فِیْ دِیْنِنَا وَلَا تجعَلِ الدُّنْیَا أکْبرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَامَنْ لَّا یَرْحمنَا۔

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں اپنا اتنا خوف نصیب فرمائیے، جس کی وجہ سے آپ ہمارے درمیان اور گناہوں کے درمیان حائل ہوجائیں، اور اپنی وہ طاعت نصیب فرمائیے، جس کی وجہ سے آپ ہمیں اپنی جنت میں پہونچادیجئے، اور اتنا یقین بخشئے جس کی وجہ سے آپ دنیا کی مصیبتیں ہمارے اوپر سہل فرمادیجئے، اور ہم کو ہماری سماعت، ہماری بینائی اور ہماری طاقت سے اس وقت تک استفادہ کا موقع دیجئے جب تک آپ ہم کو زندہ رکھیں، اور اس کے خیر کو ہمارے بعد باقی رکھئے، اور جو ہم پر ظلم کرے اس سے ہمارا انتقام لیجئے، ہمارے دشمن کے مقابلے میں ہماری مدد کیجئے، ہمارے دین پر مصیبت نہ لائیے، اور دنیا کو ہمارا مقصود اعظم نہ بنائیے، نہ ہمارے علم کا منتہا بنائیے، اور ہم پر کسی ایسے شخص کو مسلط نہ فرمائیے جو ہم پر رحم نہ کرے۔

یہ بہت جامع دعا ہے، اس دعا میں تمام انسانی مجبوریوں کا علاج ہے، اور درجات کمال کے حصول کا سبب ہے، جی چاہتا ہے کہ کوئی مسلمان اس دعا سے خالی نہ رہے۔ واللہ الموفق

(بقیہ صفحہ ۱۴ سے)

یہ منافق حضرت معاذہ رضی اللہ عنہا کو بحیثیت باندی اور کنیز کے بدکاری پر مجبور کرتا، اس پر سورۂ نور کی یہ آیات نازل ہوئیں وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اس کے بعد ان کو آزادی حاصل ہوگئی اور انھوں نے قبول اسلام کیا اور دین اسلام کی اشاعت وفروغ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

دعوتِ فکر وعمل

اے میرے بچو!

میرے بعد تم کس کی بندگی کروگے؟؟

مولانا محمد انصاراللہ قاسمی*

مضمون کا عنوان قرآن مجید کی ایک آیت کے ٹکڑے کا ترجمہ ہے: مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ یہ آیت دراصل جلیل القدر پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام کا مقولہ ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا تو آپ علیہ السلام نے اپنے بچوں سے یہ بات دریافت فرمائی کہ اے میرے بچو! میرے بعد تم کس کی بندگی کروگے؟ انتقال کے موقع پر جب کوئی بات کہی جائے تو وہ بات زندگی میں موقع بہ موقع بہ طورِ نصیحت کی جانے والی عام باتوں کی طرح نہیں ہوتی، یہ بات صرف نصیحت ہی نہیں بلکہ وصیت کا درجہ رکھتی ہے، اور نصیحت کے مقابلہ میں وصیت کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔

زندگی کے آخری وقت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنی اولاد سے یہ سوال کرنا، حقیقت میں اپنے گذرجانے کے بعد بچوں کی دینداری، دین سے گہری وابستگی اور ایمان پر ثابت قدمی کے تعلق سے اُن کی فکرمندی کو ظاہر کرتا ہے کہ بحیثیت نبی و پیغمبر توحید کی دعوت میری زندگی کا مقصد ومشن رہا، کیا میرے انتقال کرجانے کے بعد میرے بچے اس مقصد ومشن کے علمبردار رہیں گے یا اس سے دست بردار ہوجائیں گے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس فکرمندی سے بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت کی اہمیت وضرورت معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ بچوں کی مثال ''سادہ سلیٹ'' کی سی ہے، اس پر جو لکھا جائے گا وہی آخر تک باقی رہے گا، جیسا کہ محاورہ ہے کہ: اَلْعِلْمُ فِی الصِّغَرِ کَالنَّقْشِ فِی الْحَجَرِ بچپن میں جو باتیں سکھائی اور بتائی جاتی ہیں ''وہ پتھر کی لکیر'' ہوتی ہیں، تعلیم وتربیت کے عنوان سے جو چیزیں ان کے ذہنوں میں بٹھائی جائیں گی اس کے اثرات آخر عمر تک محسوس کئے جاتے ہیں، بچہ کی زندگی کا دھارا اگر صحیح رخ پر چلانا ہے تو اس کی اصلاح وتربیت کا انتظام والدین کی پہلی ذمہ داری ہے۔

اس کو سامراجی طاقتوں اور مذہب بیزار تحریکوں کا کرشمہ کہیے یا ہماری سوچ وفکر کا المیہ کہ تعلیم کو دو خانوں

*منتظم مجلس تحفظ ختم نبوت ٹرسٹ تلنگانہ وآندھرا

میں تقسیم کر دیا گیا، مذہبی وعصری تعلیم، دینی اور دنیاوی تعلیم، یہ تقسیم ان لوگوں کے لیے کارگر اور کارآمد ہے جو اس نظریہ اور نعرہ کے علمبردار، پیروکار اور پیداوار ہیں کہ ''قیصر کا حق قیصر کو دو اور کلیسا کا حق کلیسا کو دو'' ایک مسلمان اور بندۂ مؤمن کے واسطے یہ تقسیم فائدہ مند نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ وہ جیسے نماز کے مصلیٰ پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کا پابند ہے بالکل اسی طرح دوکان کے کاؤنٹر پر، ملازمت کی کرسی پر اور کلاس روم کی بینچ پر بھی وہ احکامِ الٰہی کا پابند و تابع ہے، مسلمان زندگی کے ہر گوشہ وشعبہ میں خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی فرمانروائی کا قائل ہے۔

بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت کے اس پس منظر میں دو باتیں ہمارے لیے قابلِ غور اور لائقِ توجہ ہیں، ایک یہ کہ ہمارا ملک چوں کہ سیکولر اور جمہوری ہے، اس لیے یہاں کا نصابِ تعلیم بھی سیکولر و لادینی ہے اور عصری درسگاہیں چاہے وہ مسلم انتظامیہ کے تحت ہوں یا غیر مسلم انتظامیہ کے، اسی لادینی نصابِ تعلیم کو پڑھانے کے پابند ہیں اس نصابِ تعلیم میں چاہتے ہوئے بھی کوئی بہتری نہیں لائی جاسکتی، البتہ جو مسلمان اساتذہ ہیں وہ دورانِ تدریس مسلمان طلبہ وطالبات کی صحیح ذہن سازی کر سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ ''نظامِ تعلیم'' ہمارے قابو اور اختیار میں ہے، اس میں حکومت کی طرف سے کوئی پابندیاں اور حد بندیاں نہیں ہوا کرتیں، نظامِ تعلیم کے عنوان سے اپنے نونہالوں، طلبہ وطالبات کو اسلامی ماحول اور دینی تربیت فراہم کرتے ہوئے انہیں اعلیٰ وعصری تعلیم سے آراستہ کیا جاسکتا ہے، مقررہ لادینی نصابِ تعلیم سے ہٹ کر اسلامیات ودینیات کی تعلیم کا خصوصی انتظام کیا جاسکتا ہے۔ مقامِ شکر ہے کہ اس طرف ذمہ دار علماءِ کرام اور قوم وملت کے لیے ''کچھ کر گذر جانے'' کے جذبہ سے سرشار دردمند احباب کی توجہات ہو رہی ہیں، اس کے علاوہ خود طلبہ اور ان کے اولیاء میں دینی شعور واحساس قابلِ تحسین ہے کہ انہوں نے تعلیم کے میدان میں مشہور مشنری اسکولس اور کالجس کو محض اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ ان میں نمازِ جمعہ اور ظہر کی نماز کے لیے وقت نہیں دیا گیا، اسی دینی بیداری وشعور کو دیکھ کر بعض پرائمری اسکولس کے انتظامیہ نے نعرہ دیا کہ: ''اپنے نونہالوں کو عصری علوم کے ساتھ ساتھ حافظِ قرآن بنائیے'' تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ اس طرح کے نعروں میں معقولیت اور حقیقت پسندی سے زیادہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کا استحصال ہوتا ہے اور ملت کے نونہالوں کے مستقبل سے کھلواڑ بھی! نہ اُن کو صحیح دینی تعلیم ملتی ہے اور نہ وہ عصری تعلیم میں پختہ ہوتے ہیں بقول شخصے ؎

نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

صحیح بات یہ ہے کہ دینی تربیت واسلامی ماحول میں عصری تعلیم کی اہمیت کا یہ مقصد نہیں کہ طلبہ کو حافظِ قرآن یا عالمِ دین بنایا جائے، اس کے لیے مستقل اعلیٰ دینی درسگاہیں بڑی تعداد میں پہلے سے موجود ہیں، اس کوشش وجدوجہد کا واحد مقصد یہ ہے کہ ہمارے طلبہ اعلیٰ عصری تعلیم کے بعد اپنے دین ومذہب پر پوری خوداعتمادی واحساسِ برتری کے ساتھ قائم رہیں، اپنی روشن تہذیب وثقافت سے وابستہ رہیں اوراپنے اعلیٰ اقدار ورِوایات کے پابندرہیں، اب جب کہ تعطیلات کا مہینہ چل رہا ہے اورآئندہ کچھ دنوں میں نئے تعلیمی ادارے کھل جائیں گے اورداخلوں کی کارروائیاں شروع ہوجائیں گی، اولیاءِ طلبہ وسرپرستان کا سخت امتحان اورکڑی آزمائش ہوگی، انہیں دوٹوک فیصلہ کرنا ہوگا کہ آیا وہ صرف اعلیٰ تعلیم کے لیے لادینی تربیت اورغیراسلامی ماحول میں اپنی نوخیزاور نئ نسل کوالحادوارتداد کی تباہ کن موجوں کے حوالہ کردیں گے یا پھراپنی اس نئ پودکواعلیٰ عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینِ اسلام کا پیروکاراورعلمبرداراوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام بنا کر رکھیں گے؟ یادرکھیے! صرف اعلیٰ عصری تعلیم سے آپ کا بچہ نام کا مسلمان ہوگا، عقیدہ وایمان سے بالکل کھوکھلا اورتاریخِ اسلامی سے بالکل کورا ہوگا، وہ ایسا ’’عرفان‘‘ ہوگا جس کواپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ ماجد کی صحیح طور پر پہچان نہیں ہوگی، یا پھر آپ کی دختر ایسی ’’فاطمہ‘‘ ہوگی جواپنی عصری تعلیم میں ’’رینک‘‘ حاصل کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدۂ ماجدہ کا نام ’’بی بی فاطمہ‘‘ بتائے گی۔

ایک مسلمان کے لیے دنیاوآخرت میں سب سے بڑا سرمایہ اس کا عقیدہ وایمان ہے، اس کی وجہ سے دنیا میں اس کی پہچان وشناخت ہے اورآخرت میں نجات، انسان اشرف المخلوقات ہے اورانسانوں میں سب سے زیادہ برگزیدہ ومقدس جماعت حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی ہے، قرآن مجید میں حضرت ابرہیم اورحضرت یعقوب علیہما السلام کی وصیت موجود ہے، اس میں ان دونوں برگزیدہ پیغمبروں نے اپنے فرزندوں کو یہ نصیحت اوروصیت کی کہ اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں دینِ اسلام کے لیے چن لیا اورحالتِ اسلام ہی میں تمہاری موت ہونی چاہیے، پوری زندگی دین وایمان پر باقی رہے اورحضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میرے بچو! میرے بعد تم کس کی بندگی کروگے؟ سب نے جواب دیا کہ ہم ایک خدا کی عبادت کریں گے۔۔۔۔اور ہم مسلمان رہیں گے۔(سورۃ البقرۃ:۱۳۳)

یہاں پرتھوڑی دیررک کر، اپنے دل پر ہاتھ رکھ کراوراپنے ذہن پرزوردے کر ہر مسلمان سوچ سکتا ہے کہ میں نے اپنے لختِ جگرکواعلیٰ عصری تعلیم دلوادی تاکہ وہ باوقارطریقہ پر معیاری زندگی گزارسکے، میں نے اس کوبہترین روزگار سے لگوادیا، تاکہ وہ میرے بعد کسی کا دست نگرومحتاج نہ رہے، میں نے اس کے نام پرکئی بینک

بیالنس چھوڑے اور قیمتی جائیدادیں اس کے نام پر کردی تا کہ میرے بعد اس کی زندگی میں آڑے وقت کام آسکے، لیکن کیا میں نے اپنی اولاد کے لیے دینی تعلیم وتربیت اور اسلامی ماحول کا ایسا کوئی انتظام کیا کہ میرے مرنے کے بعد میرے بچے دین وایمان پر باقی رہیں، عقیدۂ وایمان کو مضبوطی سے تھامے رہیں اور زندگی کی آخری سانس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالے رہیں؟ خدانخواستہ اگر یہ انتظام نہیں ہوا ہے تو پھر ہمیں یہ بات محض اندیشہ وخطرہ نہیں بلکہ واقعہ کے طور پر ماننا چاہیے کہ اس نری عصری تعلیم کی وجہ سے اسریٰ نعمانی وڈاکٹر وددود جیسے ''اسکالر'' اور ''پروفیسر'' ہماری نسل میں پیدا ہوں گے جو مسلم سماج کے لیے بدنما داغ اور اہل اسلام کے لیے ننگ وعار ہیں۔

پس جب بھی اپنے نونہالوں کا مستقبل ہمارے سامنے ہو، ان کی اعلیٰ تعلیم کا منصوبہ ہمارے ذہن میں ہو تو اپنے دل ودماغ پر قرآن مجید کی اس آیت کو نقش کرنا ہوگا کہ: وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ایمان پر ہی تمہاری موت ہو اور آخر میں اکبرالہ آبادی مرحوم کا یہ پیغام خود بھی پڑھیں اور اپنے نونہالوں کو بھی سنائیں۔

تم شوق سے کالج میں پڑھو، پارک میں گھومو
جائز ہے غباروں میں اُڑو، چرخ پر جھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

دین دنیا

اقبالؔ کی ''بانگ درا''، محمد علی جوہرؔ کا ''نعرۂ تکبیر'' اور مولانا آزادؔ کا ''رجزِ حریت''، سب کا ایک ہی مطلب تھا: ''دین کی کنجی سے دنیا کا دروازہ کھولو''۔

اس قدر آخرت ساز بات کہنے والے کوئی بڑے مولانا نہیں تھے بلکہ ڈاکٹر سید عابد حسین تھے۔

(فکریے، حصہ دوم، از: ابنِ غوری)

اصلاحی مضامین

رمضان المبارک کے بعد تربیتی اثرات کو باقی رکھیں!

مفتی صادق حسین قاسمی کریم نگری*

رمضان المبارک کے بابرکت لیل ونہار ختم ہو چکے، عبادتوں کا موسمِ بہار رخصت ہو گیا، نیکیوں اور طاعات کا نورانی ماحول مکمل ہو چکا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ رمضان المبارک صرف ایک مہینہ کی عبادت کروا کر چلے جانے کے لئے نہیں آیا تھا، چند دنوں کے نماز و روزہ کا پابند بنانے کے لئے نہیں آیا تھا، اور نہ ہی موسمی اور رواجی مسلمان بنا کر مسلمانوں کی فہرست میں نام درج کروانے کے لئے آیا تھا بلکہ رمضان المبارک کے ذریعہ مومن کی جو تربیت کی جاتی ہے اور عبادات کے سانچے میں جو ڈھالا جاتا ہے، احکامات کی پابندی اور شریعت کی پیروی کا جو ذہن بنایا جاتا ہے، من مانی زندگی چھوڑ کر رب چاہی زندگی گذارنے کے ذوق کو جو پروان چڑھایا جاتا ہے، اس کو ہمیشہ کے لئے مضبوط کرنے اور ایمان کی بھٹی کو ہمیشہ گرم رکھنے اور سال پورا اور زندگی بھر رمضان جیسی ہی اطاعت وعبادت کے ساتھ گذارنے کا پیغام دینے کے لئے آتا ہے۔ کیوں کہ روزہ کا جو مقصود اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے وہ تقویٰ ہے اور تقویٰ پوری زندگی کے لئے درکار ہے۔ رمضان المبارک کو جو قدر دانی کرتے ہوئے گذارتے ہیں اور اس کے اوقات کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں رمضان المبارک اپنے انقلاب انگیز اثرات ان کی زندگی میں چھوڑ جاتا ہے، اور دل و دماغ کو نیکیوں کی طرف مائل کر کے رخصت ہوتا ہے اور ایسا مسلمان رمضان کے گذرنے کے بعد بھی تعلیمات اسلام کی رعایت کرتے ہوئے بسر اوقات کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: و رمضان الی رمضان مکفرات ما بینھن اذا اجتنبت الکبائر۔ (مسلم، حدیث نمبر: ۳۴۹) کہ ایک رمضان دوسرے رمضان تک درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے جب کہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔ رمضان المبارک چوں کہ مکمل ایمان والوں کو نوازنے اور ان کو عطا کرنے کے لئے آتا ہے اس لئے اس مبارک مہینہ کی رحمتوں سے فیض یاب ہونا اور خیر سے مالا مال ہونا نہایت ضروری ہے ورنہ رمضان کے خیر و برکات سے محروم رہنے والوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا فرمائی۔ (مستدرک للحاکم: ۷۲۵۶) اور یہ

---

*مدیر ماہنامہ الاصلاح، کریم نگر

بھی کہا کہ: بد بخت و بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہ گیا۔(مسند الشامیین للطبرانی:۲۱۹۶) رمضان المبارک کی عبادتوں کے اثرات انسانی زندگی پر اس کے گذر جانے کے بعد بھی باقی رہتے ہیں، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ تفصیل کے ساتھ اس پر روشنی ڈالنے کے بعد فرماتے ہیں: اس سے واضح ہوگیا کہ رمضان ہی کی طاعتوں اور مغفرتوں کا فیض سال بھر تک چلتا رہتا ہے، اور یہی فیض منتشر ہوکر دنوں اور راتوں کی عبادت اور توفیق کی شکل اختیار کرتا رہتا ہے، نہ صرف برکتہً یا اثراً بلکہ عدداً بھی رمضان سالِ عبادت کا نقطہ آغاز اور تخمِ توفیق تھا، اس لئے مادہ توفیق وطاعت سال بھر کی عبادت کے لئے برگ وبار کی آبیاری کرتا ہے اور پورے سال پر چھایا ہوا رہتا ہے۔(خطباتِ حکیم الاسلام:۹/۱۰۹)

غرض رمضان ہمیشہ کے لئے انسان کو بدلنے اور اور مکمل تبدیل کرنے کے لئے آتا ہے، اس میں جن عبادات کو بندۂ مومن انجام دیتا ہے وہ ہیں بھی ایسی کہ رمضان المبارک کے گذر جانے کے بعد بھی وہ صفات انسان کے اندر موجود رہتی ہیں۔اب جب کہ رمضان المبارک کا اختتام ہوگیا اس موقع پر ہمادی ذمہ داری ہے کہ رمضان سے ہم نے کیا پایا اور کن صفات سے خود کو مزین کیا؟ اس کا ایک جائزہ لیں، آیئے ایک سرسری نظر ان کیفیات پر ڈالتے ہیں جو رمضان ہر ایمان والے کے اندر پیدا کرتا ہے، خوش نصیبی جن کے حصے میں ہوتی ہے وہ بہرورہ ہوتے ہیں، اور محروم القمست محروم ہی رہتے ہیں۔

اہتمامِ عبادت:

رمضان المبارک کی سب سے عظیم چیز جس سے ایک انسان کو نوازا جاتا ہے وہ عبادتوں کا اہتمام ہے۔ کیوں کہ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ انسانوں کی نیکیوں کے اجر وثواب کو بڑھادیتے ہیں اور طاعات کی انجام دہی کے راستہ کی رکاوٹوں کو بھی ہٹادیتے ہیں، سرکش شیاطین قید کرلئے جاتے ہیں اور گناہوں سے احتیاط انسانوں میں پیدا ہوجاتی ہے، اسی کا نتیجہ رہتا ہے کہ لوگ جوق در جوق عبادت کی طرف مائل ہوتے ہیں اور بساط بھر اعمال وعبادات کو انجام دینے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔رمضان المبارک نے عبادتوں کے جس اہتمام اور شوق کو پیدا کیا تھا، اب رمضان المبارک کے گذرنے کے بعد بھی ہمیں اسی اہتمام کو باقی رکھنا ضروری ہے، عبادتوں اور نیکیوں میں کمی اور لاپرواہی یہ رمضان کے سہی نہ گذارنے کی علامت ہے۔رمضان میں نوافل کا اہتمام ہوتا، ذکر وتلاوت میں وقت صرف ہوتا، دعا ومناجات کا بھی معمول جاری رہتا، رمضان میں ہم نے ہر رات بیس رکعات اضافہ تراویح کی شکل میں ادا کی، موقع ملا تو سحری کے وقت تہجد بھی ناغہ ہونے نہیں دی، توبہ و

استغفار کی کثرت رکھی اور الحاح وزاری کے ساتھ دعاؤں کا اہتمام رہا، اب رمضان کے چلے جانے بعد اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو مطلب یہ ہے کہ ہم نے رمضان سے جو پانا تھا وہ نہیں پایا اور ہمارا دامن خالی ہی رہ گیا۔ رمضان المبارک کے بعد فرائض کی ادائیگی میں بھی اور سنتوں کی انجام دہی میں کوتاہی بالکل بھی نہیں ہونی چاہیے۔

اخلاقی تربیت:

رمضان المبارک میں صبر اور تقویٰ کے ذریعہ ایمان والوں کی اخلاقی تربیت کی جاتی ہے، روزہ کی حالت میں بہت سے باتوں سے اجتناب اور بہت سارے کاموں سے احتراز کرنا پڑتا ہے، زبان، آنکھ، کان، دل اور دیگر اعضاء کی حفاظت کا خوب اہتمام کرنا پڑتا ہے تاکہ روزہ ضائع نہ ہوجائے اور ثواب سے محرومی نہ ہونے پائے۔ قوتِ برداشت، تحمل مزاجی اور بردباری کے ذوق کو بیدار کیا جاتا ہے۔ بلکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: جب تم سے کسی کا روزہ ہو تو وہ گندی باتیں نہ کرے، شور نہ مچائے، اگر کوئی شخص گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑا کرنے لگے تو (اس کو گالی گلوچ سے جواب نہ دے بلکہ) یوں کہہ دے کہ میں روزہ دار آدمی ہوں۔ (گالی گلوچ لڑائی جھگڑا میرا کام نہیں) (بخاری: ۱۷۸۰) نبی کریم ﷺ نے جو روزہ کو ڈھال قرار دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ یہ ڈھال اسی وقت تک رہے گا جب تک کہ اس کو پھاڑ نہ دے۔ ایک روایت میں آپ کا ارشاد ہے کہ: جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹی بات یا غلط کام نہ چھوڑے تو اللہ کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ (گناہوں کو چھوڑے بغیر) محض کھانا چھوڑ دے۔ (بخاری: ۱۷۷۹)

ان ارشادات کی روشنی میں علماء نے لکھا کہ روزہ کی حالت میں جھوٹ، غیبت، برائی، لڑائی جھگڑا یہ سب چیزیں روزہ کو بے کار کر دیتی ہیں۔ ان ہی چیزوں کے ذریعہ ایک مسلمان کی بہترین اخلاقی تربیت کی گئی اور حسنِ اخلاق سے آراستہ کیا گیا۔ اس کو زبان کو قابو میں کرنے کی مشق کرائی گئی، آنکھ، کان، وغیرہ کے صحیح استعمال کے مرحلے سے گذارا گیا، جسم جو امانت الٰہی ہے اس کے تحفظ کا طریقہ بتایا گیا۔ رمضان کے رخصت ہونے کے بعد اس کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ اخلاقی معیار، اور قول وکردار میں کہیں کمی تو نہیں آرہی اور بے قابو ہو کر زبان وغیرہ کا غلط استعمال تو نہیں ہو رہا ہے، غیبتوں، چغل خوری، جھوٹ وافتراء کی گندگیوں سے کہیں قلب وجگر آلودہ تو نہیں ہو رہے ہیں؟ اگر رمضان کے بعد یہ اخلاقی صفات باقی رہیں اور مزید پروان چڑھیں تو یقیناً رمضان سے ہم نے بہت کچھ پایا ورنہ کھونے والے شمار ہوں گے۔

ایثار و ہمدردی:

رمضان المبارک میں ایثار و ہمدردی کی خاص تربیت کی جاتی ہے، روزہ کی حالت میں انسان خود ایک ترس والی حالت سے گذرتا ہے، بھوک اور پیاس کی شدت کو آزماتا ہے، تب اس کو فاقہ مستوں کی لاچاری اور ضرورت مندوں کی مجبوری کا احساس خوب ہوتا ہے۔ اور پھر نبی کریم ﷺ نے ایثار و ہمدردی کی خاص تعلیمات رمضان میں عنایت فرمائی فرمایا کہ: جس نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا تو یہ اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور دوزخ کی آگ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کمی کی جائے۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! ہم میں ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا تو (غریب لوگ اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو ایک کھجور یا دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی کا روزہ افطار کرادے۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۳۳۲۹) آپ ﷺ نے اس کی بھی ترغیب دلائی تھی کہ: جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں ہلکا پن اور کمی کردے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے گا۔ (حوالۂ سابق) اس کے ذریعہ دراصل نبی کریم ﷺ نے افراد امت کے مزاج کو ایثار و ہمدردی سے آراستہ کیا تاکہ دنیا میں کوئی پریشان حال نہ رہے اور وہ اپنی تکلیف ہی میں گھٹتا رہے اور دوسرا مسلمان عیش و عشرت میں اپنے بھائی سے بے خبر نہ رہے۔ اسلام میں ایثار و ہمدردی کی باضابطہ تعلیمات دی گئیں اور بہت اہتمام کے ساتھ اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا، اور خاص کر رمضان میں ہر ایمان والے کو عملی راستے سے گذار کر بتادیا کہ فاقہ کیا ہوتا ہے؟ نانِ شبینہ کے لئے تڑپنا کس کو کہتے ہیں؟ اگر رمضان المبارک کے الوادع کہنے کے بعد بھی ہمارے اندر ایثار و ہمدردی کی صفت نہیں آئی، اور ہم اپنی دعوتوں اور تقریبات میں لاکھوں ضائع کریں اور بے جا خرچ کریں اور پڑوس میں کوئی بیمار، کوئی پریشان حال، بے چین و بے قرار ہو تو پھر ہم سے بڑھ کر محروم کون ہوسکتا ہے کہ جس نے رمضان کے اس تربیتی مہینہ میں اپنے دل کو انسانیت کی ہمدردی کے لائق نہیں بنایا؟ اس لئے اس کا بھی محاسبہ کرنا ضروری ہے تاکہ ہم خیر سے مالا مال ہونے والے بنیں۔

صدقہ و خیرات:

رمضان المبارک میں خود نبی کریم ﷺ کا معمول بے پناہ انفاق کا تھا، اور آپ ﷺ نے امت کو اس

کی ترغیب بھی دلائی تھی کہ رمضان میں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے اور ضرورت مندوں کو دینے سے دریغ نہ کیا جائے۔الحمدللہ رمضان میں بہت سے مسلمان زکوۃ کی ادائیگی کا بھی اہتمام کرتے ہیں اور نفلی صدقات وغیرہ بھی خوب ادا کرتے ہیں۔یہ جہاں رمضان کے موسمِ بہار میں نیکیوں کو کمانے کی ایک شکل تھی وہیں مال کے ذریعہ بھی عبادت الٰہی انجام دینا کا ایک انداز تھا،ساتھ ہی غریب پروری کو فروغ دینا،محتاجوں کی مدد کرنا،مال کے ذریعہ قرب الٰہی کو حاصل کرنے ایک موقع تھا۔رمضان میں دینی مدارس،تحریکوں،تنظیموں کی جانب سے ہونے والے مختلف تقاضوں کو ہم نے پورا کیا رمضان کے جانے کے بعد بھی اسی طرح انفاق اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کے معمول کو باقی رکھنا بھی ضروری ہے اور مزید ترقی دینا بھی۔کیوں کہ ہمارے ہی پیسہ سے ہماری مختلف تنظیمیں اپنے کام کو انجام دیتی رہیں گی اور ایمانی قوت ہم کو پہنچتے رہے گی اور ہم پرسکون انداز میں اسلامی تعلیمات سے آشنا ہو سکتے ہیں۔

قرآن سے دلچسپی:

رمضان المبارک نزول قرآن کا مہینہ تھا،اسی بابرکت مہینہ میں یہ مقدس کلام اُترا،اور اس کلام الٰہی نے اپنے معجزانہ اثر آفرینی سے تاریک دنیا میں نور بکھیرا اور انقلاب برپا کیا۔رمضان میں مسلمان کچھ نہ کچھ اس کا اہتمام کر لیتے تھے کہ قرآن کو تلاوۃً مکمل کیا اور درس قرآن کے حلقوں سے معانی کو سمجھنے اور تفاسیر کی مدد سے اور علماء کی رہبری سے مقصود قرآن تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی۔حقیقت یہ کہ رمضان المبارک کے اوجھل ہونے کے بعد بھی قرآن سے لگاؤ اور دلچسپی ہونا ضروری ہے۔تلاوتِ قرآن کے معمول کو برقرار رکھنا اور فہم قرآن کے لئے کوششیں جاری رکھنا لازمی ہے کیوں کہ قرآن کریم ہی کے ذریعہ یہ امت راہ راست پر آئے گی اور حق و باطل میں فرق کر پائے گی،اور اسی قرآن کے ذریعہ اللہ تعالی نے قوموں کے عروج و زوال کو جوڑ رکھا ہے یہ بھی ایک المیہ ہے کہ رمضان کے گذرنے جانے کے بعد اکثریت تلاوت قرآن کو چھوڑ دیتی ہے،اور قرآن مجید پھر ایک سال تک کے لئے طاقوں کی زینت بن جاتا ہے،اور گرد آلود ہو کر رہ جاتا ہے۔رمضان ہمیں قرآن سے قریب کرنے کے لئے آیا تھا اگر رمضان کے جانے کے بعد قرآن ہمارے روزمرہ کے معمولات میں نکل گیا تو بلاشبہ ہم کھونے والوں میں سے ہوں گے،اور اپنی حرماں نصیبی پر رونے والوں سے ہوں گے۔اس لئے اس روش کو بدلنا ضروری ہے۔

نظام الاوقات کی پابندی:

رمضان المبارک میں ایک خاص تربیت جس کی کرائی جاتی ہے وہ وقت کی قدردانی اور نظام الاوقات کی پابندی ہے۔سحری سے لے کر افطار تک کے سارے وقت کو ایک مسلمان نظام العمل کے تحت گذارتا ہے، جب حکم ہوا کھایا، جب حکم ہوا کھانا چھوڑ دیا، رمضان میں ایک مومن اپنی مرضی سے نہ کھاتا ہے اور نہ اپنی مرضی اپنی خواہشات کو پورا کرتا ہے۔وہ وقت پر کام کرتا ہے، وقت پر عبادت انجام دیتا ہے، وقت پر آرام کرتا ہے اور وقت کی رعایت کے ساتھ ہی اپنے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔یہ مرتب نظام اور سلیقہ مند طرز زندگی ایک مسلمان کو وقت کی قدردانی بھی سکھاتی ہے اور نظام الاوقات کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتی ہے۔رمضان المبارک کے گذرنے کے بعد بھی ہمیں اپنے اوقات کو اسی حسن ترتیب سے گذارنا چاہیے تاکہ پابندی کے ساتھ عبادات بھی کرسکیں اور دنیاوی کام کاج بھی پورے ہوں۔اور یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے نظام الاوقات کی رعایت کرنے والی اور وقت کا خیال رکھنی والی قومیں ہی دنیا میں کامیاب ہوتی ہیں اور آخرت میں بھی سرخرو ہوتی ہیں، جن کے پاس وقت کی قدر نہیں وہ اپنی دنیا کو بھی تباہ کرتی ہیں اور آخرت کو بھی برباد۔اس لئے رمضان نے ہماری جو تربیت وقت کی قدردانی کی کی ہے اس کا پاس ولحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے اس میں بے شک ہمارا ہی فائدہ ہے، اگر یہ چیز بھی ہمیں رمضان سے سمجھ میں آگئی تو ہم بہت کچھ پانے والوں سے ہوں گے۔

آخری بات:

رمضان المبارک کے ذریعہ ہم نے کیا پایا کیا کھویا بطور جائزہ کے یہ چند چیزیں پیش کی گئی اس کے علاوہ بھی اور چیزیں ہیں جو رمضان ہم کو نواز کر رخصت ہوا، رمضان میں ہم نے غلطیوں اور کوتاہیوں، معاصی اور نافرمانیوں سے توبہ کی تھی اب اس توبہ کو باقی رکھنا ہے اور احکامات پر چلنے اور دینی تعلیمات پر عمل کرنے کا جو عہد اور عزم کیا تھا اس پر قائم رہنا ہے۔مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ: رمضان در حقیقت ایک دور کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک نئے دور کا آغاز ہے، رمضان انتہا نہیں، ابتدا ہے۔رمضان سب کچھ لے کر اور سب نعمتیں تہہ کر کے لپیٹ کر نہیں جاتا ہے، وہ بہت کچھ دے کر جھولیاں بھر کر اور نعمتیں لٹا کر جاتا ہے، رمضان کے بعد آدمی گناہوں سے ضرور ہلکا ہوتا ہے، لیکن ذمہ داریوں سے بوجھل اور گراں بار ہو جاتا ہے۔

(رمضان اور اس کے تقاضے: ۱۳۶)

اصلاحی مضامین

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے!

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

ماہِ رمضان اپنی خیر و برکت کے ساتھ آیا اور رحمت و مغفرت کی نوید دے کر رخصت ہو گیا، تلاوت وتراویح کی حلاوتیں اسی کے ساتھ چلی گئیں، سحر و افطار کی لذتیں ہلالِ عید کے ساتھ ختم ہو گئیں، آہ سحر گاہی اور نالۂ نیم شبی کا نورانی ماحول سال بھر کے لیے گم ہو گیا؛ لیکن سب سے بڑا خسارہ یہ ہوا کہ مسجدیں ویران ہو گئیں، مصلے سنسان ہو گئے، کل تک جو بندگان خدا تہجد و نوافل کا التزام کرتے تھے آج بے دریغ فرائض و واجبات سے غفلت برتنے لگے۔ ان حالات کو دیکھ کر ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہمارا مسلمان خدائے واحد کے بجائے ماہِ رمضان کی عبادت کرتا ہے، اس کا ایمان اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ حالات وتغیرات کا سیل رواں اسے بہالے جاتا ہے، نہ ایمان میں استحکام و مضبوطی ہے نہ اعمال پر استقامت ودوام!

فریضۂ نماز کے سلسلہ میں جو مجرمانہ غفلت وداعِ رمضان کے بعد دیکھی جاتی ہے وہ مسلم معاشرے کے لیے بدنما داغ اور ملت اسلامیہ کے لیے تباہی کا پیش خیمہ ہے، اگر لاپرواہی وکسل مندی کا یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو پھر ہمیں اللہ رب العزت کے دردناک عذاب سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اس عمومی صورت حال کے برعکس اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو اعمال صالحہ اور طاعت وعبادت کی توفیق بخشی، ثبات واستقامت کا حوصلہ دیا، وہ قابل رشک اور لائق تحسین ہیں اور انہیں اس بات پر اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے اور نیکی کے کاموں کے لیے اپنے آپ کو مزید تیار کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

فریضۂ نماز کی اہمیت:

نماز اللہ کی رضا کا سبب، فرشتوں کی محبوب ترین چیز، انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت اور زندگی کا کیف و سرور ہے، اس سے معرفت کا نور پیدا ہوتا ہے، دعائیں قبول ہوتی ہے، رزق میں برکت ہوتی ہے، ہر حاجت پوری ہوتی ہے، نماز ہی ایمان کی جڑ، بدن کی راحت، دشمن کے لئے ہتھیار اور نمازی کے حق میں سفارشی ہے۔

*استاذ شعبہ عالمیت ادارۂ ہذا

حافظ ابن حجرؒ نے منبہات میں حضرت عثمان غنیؓ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص نماز کی محافظت کرے اور اوقات کی پابندی کے ساتھ اس کا اہتمام کرے حق تعالیٰ شانہٗ نو چیزوں کیساتھ اس کا اکرام فرماتے ہیں: اول یہ کہ اس کو خود محبوب رکھتے ہیں۔ دوسرے تندرستی عطا فرماتے ہیں۔ تیسرے فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ چوتھے اس کے گھر میں برکت عطا فرماتے ہیں۔ پانچویں اس کے چہرہ پر صلحاء کے انوار ظاہر ہوتے ہیں۔ چھٹے اس کا دل نرم فرماتے ہیں۔ ساتویں پل صراط پر سے بجلی کی طرح گزار دیتے ہیں۔ آٹھویں جہنم سے نجات عطا فرماتے ہیں۔ نویں جنت میں ایسے لوگوں کے پڑوس سے شرف بخشتے ہیں؛ جن کے بارے میں **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** وارد ہے یعنی قیامت میں نہ ان کو کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز دین کا ستون ہے اور اس میں دس خوبیاں ہیں: چہرہ کی رونق ہے، دل کا نور ہے، بدن کی راحت اور تندرسی کا سبب ہے، قبر کا انس ہے، اللہ کی رحمت اترنے کا ذریعہ ہے، آسمان کی کنجی ہے، اعمال ناموں کی ترازو کا وزن ہے کہ اس سے نیک اعمال کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے اللہ کی رضا کا سبب ہے، جنت کی قیمت ہے اور دوزخ کی آڑ ہے، جس شخص نے اس کو قائم کیا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اس کو چھوڑا اس نے دین کو گرا دیا۔ (دیلمی) اور یہ تو مشہور حدیث ہے کہ میری امت قیامت کے دن وضو اور سجدہ کی وجہ سے روشن ہاتھ پاؤں والی روشن چہرہ والی ہوگی اسی علامت سے دوسری امتوں سے پہچانی جائے گی۔ (متفق علیہ) ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آسمان سے کوئی بلا اور آفت نازل ہوتی ہے تو مسجد کے آباد کرنے والوں سے ہٹا لی جاتی ہے۔ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام کر دیا ہے کہ سجدہ کے نشان کو جلائے یعنی اگر اپنے اعمال بد کی وجہ سے وہ جہنم میں داخل بھی ہوگا تو سجدہ کا نشان جس جگہ ہوگا اس پر آگ کا اثر نہ ہو سکے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ نماز شیطان کا منہ کالا کرتی ہے اور صدقہ اس کی کمر توڑ دیتا ہے۔

نماز کی کیا اہمیت ہے اور اس کا پابند ہونا کس قدر ضروری ہے؟ اس کا اندازہ اس مکتوب گرامی سے ہوتا ہے، جسے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں مختلف ریاستوں کے گورنروں کے نام لکھا تھا، اور جس کا ایک ابتدائی حصہ اس طرح ہے: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام نافع سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے گورنروں کو لکھا تھا تمہارے تمام کاموں میں سب سے بڑھ کر اہمیت میرے نزدیک نماز کی ہے، جس کسی نے اس کی حفاظت کی اور اس کی نگرانی کرنے میں لگا رہا، اس نے اپنے دین کو بچا لیا اور جس نے نماز کو ضائع کیا، وہ دوسرے تمام کاموں کو اور زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔ (الموطا لامام مالک، کتاب الصلاۃ)

ایک عالمِ ربانی کے یہ قول: نماز اسلام کے ان تمام عقائد کو تازہ کرتی ہے، جن پر ایمان لائے بغیر نفس کی

پاکیزگی، اخلاق کی درستی اور اعمال کی اصلاح ممکن نہیں۔صبر وتوکل اور پاکیزگی، طہارتِ نفس وغیرہ اعلیٰ اخلاقی اوصاف کے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے، نماز کے اندر آدمی کو پاکباز اور خدا ترس انسان بنانے کی بے انتہا رقوت موجود ہے، نماز ہمیں باحوصلہ اور عالی ظرف بناتی ہے اور ایک پاک اور ستھری زندگی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔۔۔نماز کو دین کے ایک جامع عنوان کی حیثیت حاصل ہے، نماز مومن کی زندگی کا اول اور آخرسب کچھ ہے۔نماز مومن کی اخلاقی اور حقیقی زندگی کی آئینہ دار ہے۔

ترک صلاۃ پر وعیدیں:

قرآن کریم اور احادیث کریمہ میں جہاں نماز کی فضیلتیں بیان ہوئیں ہیں وہیں نماز چھوڑنے پر سخت وعیدیں بھی سنائی گئیں ہیں چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ جہنمیوں سے پوچھا جائے گا: تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی؟ تو جہنمی جواب دیں گے: ہم نمازیوں میں سے نہ ہو سکے (سورۂ مدثر) اس آیت سے بے نمازی سبق حاصل کریں کہ کہیں وہ بھی نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہو جائیں۔

دوسری جگہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: تو ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے جنھوں نے نمازیں گنوائیں اور اپنی خواہشات کے پیچھے ہوئے تو عنقریب وہ غَیّ (دوزخ) میں داخل ہوں گے۔۔(سورۂ مریم) غی کیا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ''غی'' جہنم میں ایک وادی ہے جس کی گرمی سے جہنم کے اور وادی بھی پناہ مانگتے ہیں۔(خزائن العرفان) اسی طرح فرمان الٰہی ہے: ان نمازیوں کے لئے خرابی ہے جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں (یعنی جو لوگ نماز کو ان کے اوقات سے مؤخر کر کے پڑھا کرتے ہیں) (سورۂ ماعون آیت:۳) وَیْل کیا ہے؟ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے اگر اس میں دنیا کے پہاڑ ڈالے جائیں تو وہ بھی اس کی شدید گرمی کی وجہ سے پگھل جائیں، اور یہ وادی ان لوگوں کا مسکن ہے جو نمازوں میں سستی کرتے ہیں اور ان کو ان کے اوقات سے مؤخر کر کے پڑھتے ہیں۔(مکاشفۃ القلوب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: منافقوں پر فجر اور عشاء کی نمازوں سے زیادہ بھاری کوئی نماز نہیں، اگر وہ جانتے کہ ان میں کیا (فضیلت) ہے تو گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے بھی نماز کے لئے حاضر ہوتے۔میرے دل میں خیال آیا کہ میں مؤذن کو حکم دوں کہ وہ اقامت کہے، پھر کسی شخص کو حکم دوں کہ لوگوں کی امامت کرے، پھر آگ کے شعلے لے کر اُن کے گھروں کو جلا دوں جو بغیر کسی عذرِ شرعی کے نماز باجماعت کے لیے ابھی تک نہیں نکلے۔(بخاری شریف)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مجھے میرے خلیل حضور نبی اکرم ﷺ نے وصیت فرمائی: تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا چاہے تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے جائیں اور تجھے جلا دیا جائے؛ اور جان بوجھ کر کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا ذمہ ختم ہوجاتا ہے؛ اور شراب نہ پینا؛ کیونکہ شراب تمام برائیوں کی چابی ہے۔ (یعنی شراب نوشی سے برائیوں کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں)۔(ابن ماجہ)

حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی ایک نماز بھی فوت ہوگئی وہ ایسا ہے کہ گویا اس کے گھر کے لوگ اور مال و دولت سب چھین لیا گیا ہو۔(صحیح ابن حبان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص دو نمازوں کو بلا کسی عذر کے ایک وقت میں پڑھے وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر پہنچ گیا۔(مستدرک حاکم)

ان کے علاوہ اور بھی متعدد نصوص موجود ہیں؛ جن سے تارک صلاۃ کا انجامِ بد معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ ہمیں اپنی بندگی کے لیے قبول فرمائے اور رمضان المبارک کی طرح سال بھر فرائض کے اہتمام کی توفیق بخشے۔ آمین

(بقیہ صفحہ ۴۸ سے)

جہاں مذہبی تعصب چھوٹے بچوں سے لے کر بڑی عمر کے لوگوں تک میں یکساں ہے، دینی تعلیم کے لیے مذہبی ادارہ قائم کیا، ادارہ قائم ہونے کے بعد چار سال والد صاحب حیات رہے۔ اس مدت میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ بستی والوں کی بدتمیزیوں کے پیش نظر والد صاحب لاٹھی لے کر کرسی پر بیٹھ جاتے اور اساتذہ اور طلبہ سے کہہ دیتے کہ 'آپ لوگ اپنے کام میں مشغول ہوجایئے، میں یہاں چوکیداری کر رہا ہوں۔ اگر کوئی آئے گا تو میں ان شاء اللہ اس سے نمٹ لوں گا' اسی ہمت مردانہ اور خدا کی ذات پر غیر متزلزل اعتماد کا نتیجہ ہے کہ آج بھی یہ ادارہ اسی گاؤں میں پورے رعب و دبدبے کے ساتھ کام کر رہا ہے اور غیر مسلموں کی غالب اکثریت ہونے کے باوجود اس کے خلاف آواز نکالنے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے۔(جاری۔۔۔۔۔)

اصلاحی مضامین

کامیاب مدرس کی دس نمایاں اور امتیازی خوبیاں

از: یزید احمد نعمانی

مصعب بن زبیر رحمہ اللہ نے اپنے صاحب زادے سے فرمایا: "اے میرے لخت جگر! علم حاصل کرو۔ اگر تمہارے پاس مال ہوا تو یہ علم تمہارے لیے باعثِ زینت اور شانِ افتخار ہے۔ اور اگر تمہارے پاس دنیا کی دولت نہ ہوئی تب بھی یہ علم تمہارے لیے کسی متاع بے بہا سے کم نہیں۔"

دینِ اسلام ہر جہت سے کامل و اکمل ہے۔ اِس کے کمالات ومحاسن اور فضائل ومناقب میں سے ایک نمایاں خوبی اور ممتاز وصف "علم وحی" ہے۔ قرآن وسنت نے جا بجا مختلف مقامات پر حصولِ علم کی ترغیب وتشویق دے کر، یہ امر واضح کر دیا ہے کہ ایک عالم وعارف کبھی بھی کسی جاہل وناداں کے برابر نہیں ہوسکتا۔ ان کے درمیان کسی مساوات وہم سری کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ "علم" ہی ہے جس کی طرف سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نسبت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "میں معلم واستاذ بنا کر بھیجا گیا ہوں۔" آج بھی جو حضرات تعلیم وتعلّمِ دین سے منسلک اور وابستہ ہیں، ان کی حیثیت، مرتبت اور اہمیت مسلم ہے۔ بقول حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ: "تعلیم (دین) کی حالت دوسرے کاموں کے مقابلے میں ایسی ہے، جیسے انجن کا پہیہ کہ اس کے چکر پر تمام گاڑیوں کو حرکت ہوتی ہے۔ اگر اس کی حرکت بند ہو جائے تو تمام گاڑیوں کی حرکت بند ہو جائے؛ مگر اس کی ضرورت کا احساس لوگوں کو نہیں ہوتا۔ درس وتدریسِ (دین) سب محکموں کی روح ہے۔ خواہ تقریر ہو، خواہ تحریر، خواہ تصنیف سب اسی تعلیم (دین) کی فرع ہیں؛ مگر اس وقت سب سے زیادہ اسی کو بے کار سمجھ رکھا ہے۔ عام طور سے لوگوں کی نظر میں علماء کی وقعت کم ہے۔" (تحفۃ العلماء 1/69)

آج کے مادہ پرست، ظاہر بیں اور بناوٹ شعار زمانے میں مجموعی طور پر "مدارس دینیہ" بحمد اللہ ایک معلم ومدرس کو اس کا وقار وعزت ویسے ہی فراہم کرتے ہیں، جو اس کے منصب ومقام کا تقاضا ہے۔ مرورِ ایام نے جہاں طلبہ علوم دینیہ کو تن آسان، سہل پسند اور غفلت کا خوگر بنا دیا ہے، وہاں اساتذہ اور مدرسینِ علومِ نبویہ کی ذمہ داریاں اور ان کے بلند رتبہ مقام کے تقاضے بھی پہلے سے کئی گنا بڑھ چکے ہیں۔ سستی، بے فکری اور عدم توجہی

کی اس تاریک وسیاہ فضا میں وہ کون سے ایسے قابلِ توجہ اسباب وعوامل ہیں، جن کو برت کر ایک کامیاب مدرس ومعلم اپنے متعلّمین ومنتسبین کی صلاحیتوں کو دوآتشہ کرسکتا ہے؟ جن سے استفادہ کرکے وہ اپنے لیے کامیابی وکامرانی کی راہیں ہموار کرسکتا ہے؟ جن کی بنیاد پر امتِ بیضا کو معتبر رجال کار اور مستند افرادِ دین مہیا کیے جاسکتے ہیں؟ آیئے! ایک اجمالی مگر مؤثر انداز میں ان سوالات کا جواب تلاش کریں:

۱- وقت کی پابندی:

پابندیِ وقت ہر عقل مند انسان کی خوبی ہے۔ تھوڑے وقت میں زیادہ کام کرنے اور کروانے کا بنیادی اصول مقررہ وقت کا بھرپور اور درست استعمال ہے۔ اپنے وقت کی کامل حفاظت اور اُسے تول تول کر خرچ کرنا ہی کامیاب تدریس کی جانب پہلا قدم ہے۔ اس حوالے سے ذرا سی بے التفاتی و بے توجہی اور تساہل نہ صرف علمی، عملی اور اخلاقی رویے کے منافی ہے؛ بلکہ زیر تدریس شاگردوں پر بھی اس کے برے اور منفی اثرات پڑ سکتے ہیں۔ جو یقیناً ان کے بہتر مستقبل کے حوالے سے زہرِ قاتل ہے۔ وقت کا التزام یہ تو اچھی اور قابلِ تحسین عادت ہے؛ البتہ اپنے گھنٹے سے قبل دوسرے استاد کے گھنٹے کا وقت لیا جائے اور نہ ہی مقررہ وقت ختم ہونے کے بعد دوسرے مدرس کے اوقات میں بے جا دخل اندازی کی جائے۔ متعین ساعتوں میں اپنی بات سمیٹنا اور تکمیل تک پہنچانا اخلاقاً وشرعاً ایک مدرس کی ذمہ داری ہے۔

۲- تفہیم سے قبل تفہّم:

وقت کو معتدل انداز میں اسی وقت اپنے لیے کارآمد اور مفید بنایا جاسکتا ہے، جب آپ تعلیم گاہ میں جانے سے پہلے متوقع سبق کو خوب اچھی طرح دیکھ چکے ہوں۔ بسا اوقات عبارت میں کسی قسم کی غلطی وابہام کی وجہ سے صحیح معنی اور مفہوم اخذ نہیں ہو پاتا؛ چنانچہ اس مرحلے کو اگر پہلے ہی عبور کرلیا جائے تو یقیناً آپ مکمل اطمینان و سکون کے ساتھ طلبہ کو سمجھا سکتے ہیں۔ اسی طرح عبارت کے مالھا وماعلیھا کی آگاہی اور واقفیت سے افہام کا راستہ آسان اور سہل ہو جاتا ہے۔ سبق کی روانی اور رفتار بھی متاثر نہیں ہوتی۔ یاد رکھئے! سمجھانے سے قبل سمجھنا، بولنے سے پہلے سوچنا اور کرنے سے پیشتر نتائج پہ نظر رکھنا، آپ کے اندازِ تدریس اور معیارِ تعلیم پر خوش گوار اور دیرپا اثرات ڈال سکتے ہیں۔

۳- اسلوبِ تعلیم:

ہر انسان کو خالق کائنات نے مختلف خوبیوں اور محاسن سے نوازا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک اچھائی اور

خوبی کسی انسان میں ہوتو لازماً دوسرے فرد میں بھی پائی جائے؛ مگر چند ایسی صفات ضرور ہیں جو مشترکہ طور پر ہر انسان کو قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی ہوتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کون کتنا اور کس خوبی سے اس کو اپنے تصرف میں لاکر اپنے لیے ترقی کی منزلیں قریب کرتا ہے۔ایک مقبول اور ہردل عزیز استاذ کی پہچان اور اُس کا تعارف یہ ہے کہ وہ سبق اور درس کو شاگردوں کے ذہن وفہم کے قریب لے آئے۔ یہ قرب ونزدیکی اس قدر ہو کہ کوئی طالب علم اُس کتاب وسبق سے وحشت وتنگی اور بُعد محسوس نہ کرے؛ لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟ جواب بہت سیدھا اور آسان ہے۔ درس ہمیشہ "تقطیع اور تجزّی" کے اصول پر پڑھایا جائے۔یعنی دانش گاہ میں قدم رکھنے سے قبل ہی آپ ذہناً اس بات کو مستحضر کرلیں کہ آج میرے سبق میں کتنی باتیں، کتنے مباحث، کتنے فائدے اور کتنے نکات ہوں گے؟ اس تعین وتحدید کے بعد عبارت پر ان کو منطبق کردیں۔انشاء اللہ العزیز کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

۴- طلبہ کی استعداد:

بلاشبہ ہر اچھے مدرس کی تمنا اور آرزو ہوتی ہے کہ اس کے طلبہ علمی لیاقت اور فنی استعداد میں مضبوط اور پختہ ہوں۔اس خواہش کے شگوفے اسی وقت چٹکیں گے، جب آپ طلبہ کو بھی اپنی تدریسی عمل کا حصہ بنالیں۔اس کی پہلی صورت تو یہ ہے کہ: روزانہ کی بنیاد پر اُن سے عبارت خوانی کروائی جائے۔"سب نہ سہی، ایک سہی، زیادہ نہ سہی، مختصر سہی" کے اصول اور ضابطے کو سامنے رکھ کر چلا جائے تو بہت کچھ پایا جاسکتا ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ: گزشتہ سبق کا حتی الامکان اعادہ کروائیں، چاہے خود سن کر یا آپس میں تقسیم کرکے۔تیسری صورت یہ ہے کہ: ہفتے دو ہفتے میں سابقہ خواندگی کا سرسری لیکن تنقیدی جائزہ لیں۔ان امور کی رعایت سے استاذ کے ذہن میں خود بھی نئی نئی باتیں اور اچھوتے خیالات جنم لیتے ہیں، جو عمل کی بھٹی سے نکل کر کُندَن کی صورت اختیار کرجاتے ہیں۔ضرورت ہے فقط ہمت اور حوصلہ کی۔

۵- مصطلحاتِ فن اور طلبہ:

اولین اور بنیادی درجات میں اس بات کا التزام ولحاظ رکھا جائے کہ طلبہ کو صرف ونحو، فقہ واصولِ فقہ، اصولِ تفسیر وحدیث اور منطق وبلاغت کے مصطلحات واصطلاحات خوب ازبر ہوں۔شروع میں اس اہم اور طالبِ ریاضت مرحلے کو نظرانداز کردینے کا نقصان آخر تک نظر آتا ہے۔ابتدائی طالب علموں کے اذہان وافکار اُس خام مال کی طرح ہیں، جسے ماہر اور موقع شناس کاریگر کسی بھی عمدہ سانچے اور خوبصورت ظرف میں ڈھال سکتا ہے؛ چنانچہ اس وقت کا معیاری اور کامیاب استعمال اسی صورت ممکن ہے۔ جب اُن تازہ ذہنوں کو ماہر

ومشاق مدرس اپنے متعلقہ فن کی موٹی موٹی تعریفات مثالوں کے ساتھ یاد کرادے۔ جو آگے چل کر ان کے لیے مطولات کے سمجھنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

۶- علمی تشنگی کی آبیاری:

حدیث مبارکہ میں رسول معلّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اور نکتہ رس سوال کو" آدھا علم" فرمایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ طالبان علومِ نبوت میں یہ علمی پیاس اور تشنگی کا ذوق وشوق کیسے اور کیوں پیدا ہوسکتا ہے؟ یا کیا جاسکتا ہے؟ اس کا حل احادیث مبارکہ کی کتب میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت سے ایک سوال فرمایا، کسی کو جواب نہ آیا۔ میں جان گیا کہ اس سوال کا کیا جواب ہے؛ لیکن شرم وحیا اور چھوٹے ہونے کی وجہ سے، مجھے بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ اپنی کتاب "الرسول المعلم " میں مندرجہ حدیث شریف کے حاشیہ میں رقم طراز ہیں: "استاذ کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے متعلّمین ومستفیدین سے ازخود سوال کرے۔ جس کے ذریعے ان کے اندازِ فہم کی جانچ وپرکھ کے ساتھ ساتھ، ان میں غور وفکر اور سوچ وبچار کی جانب رغبت وشوق پیدا کرنے کی کاوش شامل ہو۔ اگرچہ معلم طلبہ کے سامنے اس بات کو اس انداز میں بیان کرچکا ہو، کہ وہ اپنی کم فہمی اور ناسمجھی کی بنا پر اس سوال کی گہرائی اور حقیقت تک نہ پہنچ سکے ہوں۔" (ص:108)

۷- دورانِ درس ناصحانہ کلمات:

والد اور استاذ کے مابین کلیدی فرق وامتیاز یہ ہے کہ باپ اپنے بچے کی مادی اور ظاہری وجسمانی نشوونما کرتا ہے؛ جب کہ ایک مشفق ومہربان استاذ اپنے شاگرد کی باطنی اور روحانی تربیت کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ ہر باصلاحیت معلم اور جوہر شناس استاذ کی نظر ہمہ وقت اپنی روحانی اولاد کی سیرت وکردار پہ رہتی ہے، اور کیوں نہ ہو؟ کہ اس قیمتی اور زریں دور کی کمی اور کجی پوری عمر کا روحانی روگ بن سکتی ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ حقیقت پسند اور نفسیات شناس مدرس اپنے آپ کو فقط کتاب کی تدریس وتعلیم تک محدود نہ کرے؛ بلکہ دورانِ درس کوئی نصیحت آموز کلمہ، کوئی فکر انگیز واقعہ، کوئی نظریہ ساز جملہ کہہ کر اپنے زیرِ تربیت نونہالوں کی عملی زندگی کا دھارا بدلنے میں مثبت اور نتیجہ خیز کردار بھی ادا کرے۔

۸- معتدل مزاجی:

طلبہ کے ساتھ اعتدال، میانہ روی اور دوستانہ رویہ، ان کی فکری، علمی اور ذہنی صلاحیتوں کو ابھارنے اور نکھارنے میں بے حد مفید ومعاون ثابت ہوتا ہے۔ جہاں خشک مزاجی، بے جا غصے کا اظہار اور حدِ اعتدال

سے بڑھی ہوئی سختی اور تشدد آپ کو طالب علم سے دور کردیتی ہے، وہاں افراط کی شکار نرمی، طبیعت میں عدم سلیقے کا عنصر اور طلبہ سے فضول گپ شپ بھی درس گاہ کے عمومی اور آپ کے پڑھانے کے خصوصی ماحول کو متاثر و بدنما کرتی ہے۔ ایسی فضا اور ماحول جس میں توسط و اعتدال کا رنگ نمایاں ہو، آپ کی ذہنی پختگی اور بہترین انتظام کا مظہر سمجھی جائے گی۔ ورنہ اس معاملے میں کسی بھی قسم کی کمی یا کوتاہی سے پیدا ہونے والے نتائج کا سدِ باب ناممکن اور محال ہے۔

۹- طلبہ میں امتحانی شعور اُجاگر کرنا:

ایک کسان کے لیے انتہائی خوشی اور مسرت کا سب سے بڑا لمحہ وہ ہوتا ہے، جب اسے اپنے ہاتھوں بویا ہوا بیج ایک لہلہاتی، ہوا کے دوش پر لپکتی اور ہری بھری فصل کی صورت میں نظر آتا ہے۔ بالکل اسی طرح صاحبِ دل استاذ کے لیے راحت اور عزت کا مکمل سامان اس وقت میسر ہوتا ہے، جب اس کے ہونہار طلبہ امتیازی اور نمایاں حیثیت و مرتبہ حاصل کریں۔ اگرچہ امتحان دینا شاگرد اور متعلّم کا کام ہے؛ مگر اس کی تیاری کے لیے لائحہ عمل، طریقۂ امتحان کی وضاحت اور لکھنے کے ڈھنگ کی صورت گری جیسے مراحل استاذ کے ہاتھوں ہی وقوع پزیر ہوتے ہیں۔ جائزہ چاہے تحریری ہو یا تقریری۔ ہر دو کے لیے چند راہ نما اور سودمند ہدایات بتلانے سے طالب علم کا حوصلہ بڑھتا ہے، اسے ڈھارس ملتی ہے، اسے یقین ہوجاتا ہے کہ ایک قوت میری سرپرستی اور راہ دکھلانے والی موجود ہے۔ اس احساس کا منطقی نتیجہ بہت خوش گوار اور فرحت بخش ہوتا ہے۔

۱۰- اساتذہ میں باہم جوڑ و اتفاق:

کوئی ادارہ، جماعت اور معاشرہ ایک فرد و انساں سے مکمل نہیں ہوتا۔ مختلف مزاج اور متفرق طبیعتیں مل کر ہی کسی مدرسہ، اسکول اور گھر کو وجود بخشتی ہیں۔ ان الگ الگ مزاجوں اور طبیعتوں کا کسی امر پر متفق و متحد ہوجانا، اُس کی پائیداری، مضبوطی اور پختگی کے لیے بنیادی و کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے برعکس افتراق و انتشار، فتنہ وفساد اور ٹوٹ پھوٹ کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ قابل، محنتی اور مخلص استاذ ہمیشہ ایثار پیشہ، منکسر النفس اور اعمال صالحہ کا حریص ہوتا اور رہتا ہے۔ اس کی ابتدا سے یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کی ذات، کردار اور شخصیت؛ مدرسہ، اسکول اور ادارے کے مجموعی ماحول کے لیے تکدر اور خرابی کا باعث وسبب نہ بنے۔ اس کے کسی قول و عمل سے دوسرے کی دل آزاری اور دل شکنی نہ ہو۔ ایک شخص اور فرد کا یہ عزم، ارادہ اور نیت پورے ادارے اور جماعت کے استحکام و دوام کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ وگرنہ ایک چنگاری ہی پورے ڈھیر کو راکھ بنادینے کے لیے کافی ہوجاتی ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو صحیح معنوں میں دین کا خادم وسپاہی بنائے! آمین۔

گوشۂ اطفال

اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو

پچھلے زمانے کی بات ہے کہ کسی گاؤں میں ایک اندھا، ایک گنجا (وہ شخص جس کے سر پر بال نہ اُگتے ہوں) اور ایک کوڑھی (وہ شخص جس کے جسم پر بیماری کی وجہ سے جگہ جگہ سفید داغ ہوں) رہتا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو آزمانا چاہا تو ان تینوں کے پاس انسان کی شکل میں ایک فرشتہ بھیجا۔

وہ فرشتہ سب سے پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: تمہیں سب سے زیادہ کون سی چیز پسند ہے؟ اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میری بیماری دور ہو جائے، میرا رنگ اور میری کھال اچھی ہو جائے، تاکہ لوگ مجھ سے نفرت نہ کریں، فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیر دیا تو اللہ کے حکم سے اس کی بیماری دور ہو گئی، پھر فرشتے نے کہا: تمہیں کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے اونٹنی زیادہ پسند ہے، فرشتے نے اُسے ایک اچھی سے گابھن اونٹنی (ایسی اُونٹنی جس کے پیٹ میں بچہ ہو) عطا کی۔ اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خوب برکت دے۔

اس کے بعد فرشتہ گنجے کے پاس گیا اور اس سے کہا: تمہیں کونسی چیز زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میرا گنجاپن دور ہو جائے، فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اللہ کے حکم سے اُس کا گنجاپن دور ہو گیا، پھر فرشتے نے پوچھا: تمہیں کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ وہ بولا مجھے گائے زیادہ پسند ہے، فرشتے نے اُسے ایک اچھی سی گابھن گائے دی اور برکت کی دعا فرمائی۔

پھر فرشتہ اندھے کے پاس گیا، اس سے پوچھا: تمہیں کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ مجھے بینائی مل جائے تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں، فرشتے نے اس کی آنکھ پر ہاتھ پھیرا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا اندھاپن دور ہو گیا اور اس کی آنکھ کی روشنی لوٹ آئی، پھر فرشتے نے پوچھا: تمہیں کون سال مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: مجھے بکری زیادہ پسند ہے، فرشتے نے اُسے ایک اچھی سی گابھن بکری دی اور برکت کی دعا

کی۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے تینوں کے جانوروں میں خوب برکت ہوئی اور تینوں بہت بڑے مالدار بن گئے۔

ایک لمبی مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر اس فرشتے کو انسانی شکل میں ان تینوں کے پاس بھیجا،فرشتہ سب سے پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے کہا: میں ایک غریب مسافر آدمی ہوں، میرا گھر یہاں سے بہت دور ہے، مجھے سواری کی ضرورت ہے۔اللہ کے واسطے مجھے سواری کے لئے ایک اونٹ دے دو، تاکہ میرا سفر آسان ہوجائے۔وہ بولا: مرے ذمے بہت سے خرچ ہیں میرے مال میں اتنی گنجائش نہیں کہ میں تمہیں اونٹ دے سکوں،فرشتے نے کہا: میں تمہیں پہچانتا ہوں تم کوڑھ کی بیماری میں مبتلا تھے،اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیماری دور کردی اور تم غریب آدمی تھے،اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دار بنادیا، وہ بولا: تمہیں کیا معلوم! یہ مال و دولت میرے پاس باپ دادا سے چلی آرہی ہے اور کوڑھ کی بیماری تو مجھے کبھی تھی ہی نہیں۔فرشتے نے کہا: اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں پہلے جیسا بنادے، چنانچہ وہ پہلے کی طرح کوڑھی اور غریب ہوگیا۔

پھر فرشتہ گنجے کے پاس گیا، اس سے بھی اسی طرح کی باتیں ہوئیں۔فرشتے نے اس کے حق میں بھی بددعا کردی، وہ بھی پہلے جیسا گنجا اور غریب ہوگیا۔

اس کے بعد فرشتہ اندھے کے پاس گیا،فرشتے نے اس سے اپنی غریبی اور پریشانی بیان کی، اس نے کہا: یہ میری ساری بکریاں تمہارے سامنے ہیں، تمہیں ان میں سے جتنی بکریاں چاہیئے لے لو، میں بھی غریب اور اندھا تھا، اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرماکر مجھے بینائی اور مال و دولت عطا فرمائی۔فرشتے نے کہا: مجھے بکریوں کی کوئی ضرورت نہیں، میں صرف تم لوگوں کو آزمانے کے لئے بھیجا گیا تھا، تمہارے دونوں ساتھی آزمائش میں ناکام ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت پہلے جیسی کردی اور تم کامیاب ہوگئے، اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہوا اور اب تمہارے مال میں مزید برکت ہوگی۔

پیارے بچو! ہمارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اللہ کی دی ہوئی ہیں، آنکھ، کان، ناک، ہاتھ، پیر، دماغ اور مال و دولت سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے، ان نعمتوں کو اللہ کے حکموں کو پورا کرنے میں لگانا چاہیئے، یہی ان نعمتوں کا شکر ہے اور بُرے کاموں میں ان نعمتوں کو ہرگز خرچ نہیں کرنا چاہیئے۔ورنہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتے ہیں۔

(ماخوذ از: سچی کہانیاں اور تربیتی باتیں ص: ۷، ۸)

افاداتِ اکابر

احسن المجالس

نوی پیٹ، نظام آباد

مدرسہ احسن المدارس نظام آباد میں منعقدہ حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہٗ کی ماہانہ اصلاحی مجلس کے چند اقتباسات جنہیں مولانا محمد عبدالقیوم شاکر قاسمی مدرس مدرسہ مظہرالعلوم نے قلمبند کرکے ماہنامہ اشرف الجرائد کے لئے روانہ کیا ہے۔　از: مرتب غفرلہٗ

خطبۂ افتتاحیہ کے بعد فرمایا:

ہمارا مقصدِ زندگی اللہ کی معرفت اور بندگی ہے، اور بندگی اللہ ورسول کی چاہتوں کو پورا کرنے کا نام ہے۔ اپنی چاہتوں کو مقدم رکھ کر اللہ ورسول کی چاہت کو ترک کردینا یہ بغاوت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات اور کائنات کی ہر شئی کو پیدا فرمایا اور انسانوں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، دریا، پہاڑ وغیرہ ساری چیزوں کو بنایا تاکہ انسان اپنی عارضی ضروریات کی تکمیل کے لئے ان تمام چیزوں سے فائدہ اٹھاسکے۔ لیکن انسان کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس کی اصلی ضرورت تو آخرت اور معرفتِ رب ہے اور عارضی ضروریات یہ کاروبار تجارت، ملازمت اور دیگر مصروفیات ہیں۔

انسان اس بات کا دھیان رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں محض دنیا بسانے اور مختلف مصنوعات کو تیار کرنے کے لئے نہیں پیدا فرمایا بلکہ اپنی معرفت اور عبادت کے لئے وجود بخشا۔ اگر ہماری زندگی کا مقصد نئی نئی مصنوعات بنانا شہروں اور دیہاتوں کو آباد کرنا یا حکومت وسیاست کرنا ہی ہوتا تو اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کو کوئی مخلوق پیدا کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی، جب اللہ نے زمین اور زمین کے خزانوں کو پیدا کیا، آسمان بنایا اور اس کو بلندیاں عطا کی، پہاڑ جیسی طاقت ور شئی کو زمین پر نصب کیا، تو شہروں اور دیہاتوں کو اور دنیا کے مختلف مصنوعات کو بھی اپنی مرضی اور ارادہ سے پیدا کردیتے، بلکہ اس کام کے لئے کسی مخلوق کو بنانے کی بھی اللہ کو ضرورت نہ تھی۔

بہر حال! اللہ نے انسانوں کو دنیا آراستہ کرنے اور سنوارنے کیلئے نہیں بنایا وہ انسانی ضرورتیں خود بہ خود

حسبِ ضرورت وجود میں لائی جاتی رہیں گی وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ تو یہ اصل مقصد ہماری پیدائش کا نہیں بلکہ اپنی معرفت و بندگی کے لئے ہمیں پیدا کیا گیا ہے، رہ گئی دنیوی ضرورتیں تو وہ ضمنی چیزیں نہیں، اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی، اسی عقل سے وہ دنیا کی مصنوعات بناتا ہے اور اپنی عارضی ضرورتوں کی تکمیل کرلیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسان نہ اپنی طرف سے کچھ بنااور سنوار سکتا ہے اور نہ اس کو ان چیزوں کے لئے پیدا کیا گیا بلکہ انسان کو ان تمام چیزوں کے خالق و مالک کی عبادت اور معرفت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور یہ معرفت بندہ کو عبادت کے راستہ سے آتی ہے، بندگی کی شان سے معرفت پیدا ہوتی ہے اور بندگی کہتے ہیں کہ بندہ اپنے پروردگار کی مرضیات وخواہشات کو اپنی خواہش پر مقدم رکھے، اپنی چاہت کو مٹانا اللہ اور رسول کی چاہت کو اٹھانا یہ عبدیت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی چاہت کو ختم کر کے اپنی چاہت اور مرضی کو پورا کرے گا تو یہ بغاوت ہے۔

مثلاً موسم گرما کے تقاضوں کو اور اپنی چاہت کو قربان کر کے بندہ سخت دوپہر کی گرمی میں نماز کیلئے مسجد آجاتا ہے تو یہ عبادت ہے اور اگر عیش و آرام کے ساتھ ٹھنڈک حاصل کرتے ہوئے نماز کا تارک بن جاتا ہے تو یہ بغاوت ہے اور بغاوت بندہ کے لائق نہیں ہے، بندہ کی بندگی تو صرف احکام الٰہی اور منشاء ایزدی کو پورا کرنے میں ہے؛ جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، دوسروں کو تکلیف دینا، ناحق مال وجائیداد لے لینا، بیویوں پر ظلم کرنا ماں باپ کے حقوق ادا نہ کرنا، یہ سب بغاوت والے اعمال کہلاتے ہیں چونکہ ان کاموں کا کرنا اللہ کے منشاء کے خلاف ہے اور جہاں جہاں اللہ کی مرضیات کے خلاف عمل ہوگا وہ بغاوت کہلائے گی عبادت نہیں کہلائے گی۔

انسان بھی کتنا غافل اور دھوکہ میں پڑا ہوا ہے کہ اس دنیا کی مختصر سی زندگی میں اپنی خواہشات پوری کرنا چاہتا ہے، خواہ عمر کتنی ہی لمبی مل جائے پھر بھی انسان کی آرزوئیں اور خواہشات کبھی مکمل نہیں ہوسکتیں۔ اس دنیا میں سب سے زیادہ لمبی عمر حضرت نوح علیہ السلام کو دی گئی تھی، لیکن فرشتوں نے ان سے پوچھا اتنی لمبی عمر سے آپ اُکتا نہیں گئے؟ تو فرمایا: کہ عمر کی مثال ایسی ہے کہ ''کبیتٍ لھا بابان ادخل مِن باب و اخرج من اُخریٰ'' ایک کمرہ کے دو دروازے ہیں ایک میں سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل گیا، بس اتنی زندگی ہے۔ ہماری عمریں تو 70،60 سال سے کچھ زائد ہوتی ہیں، اگر اس مختصر سی مدت میں بھی ہم اپنے رب کو راضی کرنے والے اعمال نہیں کریں گے اور بغاوت کرتے جائیں گے تو کیسے اللہ کی مدد و نصرت ہمارے ساتھ ہوگی؟

اصل چیز تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی چاہتوں کو پورا کرنا، دینی تقاضوں اور شرعی اصولوں کی پابندی کرنا ہے۔ چنانچہ ہم اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں اور اپنے سلسلہ میں غور کریں کہ ہم صبح سے شام تک اللہ کی کتنی عبادت

کرتے ہیں اور کتنی بغاوت کرتے ہیں؟ بیویوں پر ظلم، بچوں کیساتھ بے رحمی، نمازوں سے غفلت، پڑوسیوں کی حق تلفی، والدین کی نافرمانی، مسجدوں کی بے ادبی، دوسروں کو حقیر جاننا یہ سب بغاوت کے کام ہی ہیں جو ہم روزانہ بلاسوچے سمجھے اور جان بوجھ کر بھی کرتے رہتے ہیں۔ گناہ کرنے کے بعد فوراً بندہ اگر اللہ سے رجوع کرلے مغفرت وبخشش اور معافی کا طالب بن جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو پاک وصاف فرمادیتے ہیں، جب ایک ماں اپنی اولاد کو بار بار صاف کرکے کپڑے تبدیل کرتی ہے تو کیا اللہ رب العزت والجلال جو ارحم الراحمین ہے اور سب سے زیادہ محبت کرنے والا ہے وہ اپنے بندوں کو گناہوں سے پاک نہیں کرے گا؟ ضرور کرے گا! لیکن بندے معافی تو مانگیں اور استغفار تو کریں پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ کس طرح معاف فرماتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اۓ میرے بندو! اگر تم سمندر کے جھاگ کے برابر بھی گناہ لے کر آؤ گے تو میں اس سے بھی بڑھ کر تمہیں معافی دینے کے لئے آگے آؤں گا۔

حضرت رابعہ بصریہؒ جو قدیم زمانہ کی ایک نیک دیندار شب بیدار خاتون گزری ہیں ایک مرتبہ رات کو عبادت کررہی تھیں گھر میں چور داخل ہوا اور کچھ تلاش کرنے لگا۔ یہ اللہ والی خاتون تھیں ان کے پاس تو کچھ تھا نہیں، انہوں نے بارعب آواز سے پوچھا کہ کون ہے؟ نوجوان نے کہا کہ میں چور ہوں چوری کرنے کے لئے آیا ہوں تو آپ نے کہا کہ تجھے میرے پاس تو کچھ ملے گا نہیں۔ لیکن جب آہی گیا ہے تو کچھ اچھا کام کرلے، لوٹے میں پانی رکھا ہوا ہے اس سے وضو کرکے ۲ رکعت نماز پڑھ کر چلا جا۔ (وہ بے چارہ آیا تو تھا گناہ کرنے کے ارادہ اور نیت سے لیکن اس نیک عورت نے اس کو اپنی فکر اور سنجیدگی سے سمجھا دیا اور) وہ نماز پڑھنے لگ گیا، جب وہ سجدہ میں گیا تو حضرت رابعہ بھی سجدہ میں چلی گئیں اور گڑگڑا کر رونے لگیں اور کہنے لگیں کہ اۓ پروردگار! یہ آیا تو تھا میرے در پہ لیکن وہ ناامید اور مایوس ہوگیا، اب وہ آپ کے در کا سوالی بن گیا، آپ کے در سے تو کوئی بھی محروم نہیں جاتا آپ اس کو ہدایت دے دیجئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو اسی حالت میں ولایت کا مقام عطا فرمادیا اور وہ بھی صبح تک روتا ہوا اللہ کے حضور رات گذار دیا۔ وہ صبح صبح مسجد پہونچا اور نمازِ فجر کے بعد مسجد کے امام سے کسی بزرگ کا پتہ معلوم کرکے ان کی خدمت میں اور صحبت میں رہ گیا، کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ اپنے وقت کا ولی اور قطب بن گیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندہ سے بہت محبت کرتے ہیں، بندوں کو چاہیے کہ گناہ خواہ کتنی ہی مقدار میں کیوں نہ ہوجائیں اپنے رب سے مایوس اور ناامید نہ ہوں۔

پھر فرمایا کہ: استغفار کی کثرت کرتے رہنا چاہئے، استغفار سے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے حضرت حسنؓ کے پاس ایک صاحب اولاد کے لئے دعا کی درخواست لے کر آئے تو فرمایا کہ استغفار کرو، ایک

صاحب قحط سالی کی شکایت لے کر آئے تو ان سے بھی فرمایا کہ استغفار کرو، ایک صاحب کسی مرض کیلئے دعا کروانے آئے تو ان سے بھی فرمایا کہ استغفار کرو، کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ نے تو سب کو ایک ہی دعا بتلائی ہے۔ تو حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ میں نہیں، اللہ نے بتلائی ہے اور حضرت نوح کے واقعہ میں فرمایا فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ﴿۱۲﴾

آج ہم اللہ سے مانگنا چھوڑ رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے دنیا اور اس کی لذتوں میں الجھ کر رہ گئے ہیں، اپنی دنیا کو سنوارنے اور عارضی ضروریات کی تکمیل میں لگ گئے لیکن اپنی ضروریاتِ اصلی آخرت اور معرفتِ الٰہی کے لئے تو کچھ بھی نہیں کر رہے ہیں۔ جب کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آج کے حالات تو فرمانِ نبوی علیہ السلام کے مطابق حرف بہ حرف صادق آتے جا رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ قرب قیامت ایک ایسا دور آئے گا یصبح مومناً ویمسی کافراً ویمسی مومنا ویصبح کافراً کہ ایک آدمی صبح کو مومن تھا شام ہوتے ہوتے وہ کافر بن جائے گا اور ایک رات کو مومن تھا صبح ہوتے ہوتے وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ دل ہلا دینے والے کئی ایک واقعات ایسے ہو چکے ہیں اور روز بہ روز ہوتے جا رہے ہیں کہ کسی گاؤں اور دیہات میں 25 مکانات مسلمانوں کے ہیں معلوم ہوا کہ 15 عیسائیت سے متاثر ہو کر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، کہیں 5، کہیں 10 کوئی خطہ اور منڈل ہمیں ایسا نظر نہیں آتا جہاں صد فیصد مکانات مسلمانوں کے ہوں اور وہ پورے وثوق اور استقامت کے ساتھ دین پر جمے ہوئے ہوں۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے ایمان اور اعمال کے ساتھ ساتھ دوسروں کے ایمان کی بھی فکر کرتے رہیں، اپنے پڑوسیوں کی فکر کریں، ان کے کاموں پر اصلاحانہ نظر رکھیں، ان کے دین و ایمان کے تحفظ کے سلسلہ میں سوچتے رہیں، اللہ کی ذات سے مانگیں، استغفار کی کثرت کریں، نمازوں کا اہتمام کریں، مساجد کو آباد کرتے رہیں، اللہ اور رسول کی خواہشات کو مقدم رکھیں، عبدیت اور بندگی اپنے اندر پیدا کریں، بغاوت سے بچیں، ہر قسم کے گناہ سے اجتناب اور پرہیز کریں۔ اللہ توفیق عمل نصیب فرمائے۔ آمین۔

راہِ حق قسط (۷)

مولانا محمد فاروق صاحب مفتاحی رحمہ اللہ

گنگا سے زمزم تک

حضرت مولانا محمد فاروق صاحب مفتاحی کشٹاپوری رحمہ اللہ ریاست تلنگانہ کے مؤقر عالمِ دین، دارالعلوم حیدرآباد اور مدرسہ فیض القرآن کشٹاپور کے مایہ ناز مدرس اور ناظم تھے، اُن کا خاندانی پس منظر اور اس کی تفصیلات خود حضرت مولانا رحمہ اللہ نے املا کروادی تھی، مولانا عرفات اعجاز اعظمی صاحب نے اس کو مرتب اور مہذب کردیا ہے، بڑی دلچسپ روداد اور عبرت خیز داستان ہے، افادہ کے لئے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ از مرتب غفرلہٗ

لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو!

بات سے بات نکلتی گئی اور کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ اب میں سوچتا ہوں کہ آپ لوگوں کو ماضی کی طرف لے چلوں اور قبولِ اسلام کے بعد والد صاحب جن ابتلا و آزمائش سے دوچار ہوئے اور جس پامردی اور استقلال کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا، اس کی کچھ داستان سناؤں۔

اللہ نے والد صاحب کو بڑے عزم وحوصلہ والا اور نڈر انسان بنایا تھا۔ ڈر اور خوف نام کی چیز سے وہ واقف ہی نہیں تھے۔ عزم وارادہ کی پختگی کا یہ عالم تھا کہ جس کام کو ٹھان لیا اس کو کر کے چھوڑا، چاہے اس میں ان کو کتنی ہی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ یہ والد صاحب کے عزم وارادہ اور ہمت وقوت ہی کی بات تھی کہ تمام تر حالات کی نامساعدت کے باوجود اسلام کو حق جانا تو اس کو قبول کر کے رہے اور کشٹاپور میں جہاں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، مسلمان آٹے میں نمک کے برابر ہیں، دینی ادارہ قائم کیا اور اس کے لیے ہر طرح کی قربانی پیش کی۔

والد صاحب نے جب اسلام قبول کیا اور اس کی خبر بستی والوں کو ہوئی تو بہت چیں بہ جبیں ہوئے، مگر کھل کر مخالفت کرنے کی ہمت کسی میں نہیں ہوئی۔ اندر ہی اندر والد صاحب کے خلاف رشتہ داروں اور گاؤں کے لوگوں نے سازش شروع کردی۔ اس زمانے میں جناب دیشمکھ صاحب کو ـــــ جو بستی کے ذی اثر لوگوں سے تھے، ان کا سیندھی کا بڑے پیمانے پر کاروبار تھا، والد صاحب نے اپنے کاروبار کے سلسلے میں ان سے قرض لے رکھا

تھا ـــــ لوگوں نے اکسانا شروع کیا کہ آپ اپنے قرض کی فوری ادائیگی کا مطالبہ کریئے اوران سے کہیے کہ 'اگر فوراً ادا نہیں کر سکتے تو اپنے سابقہ مذہب پر آ جاؤ، تمھارا پورا قرض معاف کر دیا جائے گا'۔اس نے والد صاحب سے براہ راست تو بات نہیں کی، مگر دور دور سے والد صاحب کو ان باتوں کی اطلاع ملتی رہی۔ والد صاحب نے اس ساہوکار کو بلا کر کہا کہ 'مجھ کو قرض کی معافی نہیں چاہیے اور جس گندگی سے میں نکل گیا ہوں اس میں دوبارہ نہیں پڑوں گا۔ میرے پاس نقد رقم تو نہیں ہے مگر ایک اچھی قیمتی کاشت کی زمین ہے جو بالکل تیار ہے، اس میں کچھ کرنا نہیں ہے۔ آب پاشی کا بھی عمدہ انتظام ہے اور زمین بھی بہت زرخیز ہے، اور اس سے لگا ہوا ایک بڑا دومنزلہ قلعہ نما مکان بھی ہے جس میں لکڑی کا مکمل کام ساگوان کا ہے۔ آپ اگر چاہیں تو اسے لے لیں اور قرض کا حساب کتاب ختم کر دیں'۔ والد صاحب کی بات سن کر وہ ساہوکار بہت شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ 'نہیں، میں نہیں لے سکتا۔ اس سے میری بڑی بدنامی ہوگی کہ میں قرض دیتا ہوں اور لوگوں کی جائیدادیں ہڑپ کر قرض وصول کرتا ہوں۔ قرض کی وصولی میں یہ طریقہ میرے لیے اور میرے کاروبار کے لیے مناسب نہیں ہے'۔ والد صاحب نے اس سے کہا کہ 'آپ لے لیجیے، میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں، قرض رکھ کر مجھے نہیں مرنا ہے۔ موت کب آئے گی اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرض دار کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔ میں نہیں چاہتا کہ جس چیز کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمان کی نماز جناہ نہیں پڑھتے تھے، وہ میرے اوپر رہے۔ آپ ابھی اور اسی وقت اس پر قبضہ کر لیجیے اور مجھے اس بار سے آزاد کریئے'۔ چنانچہ والد صاحب کے اصرار اور لوگوں کی فہمائش سے وہ لینے پر راضی ہو گیا۔

مکان دینے کے بعد ہم لوگ بے گھر ہو گئے، گاؤں کی زمین ہم لوگوں پر تنگ ہوگئی۔ گاؤں سے تقریباً دو ڈھائی کلومیٹر دور ایک دوسری بستی میں جنگل سے قریب ایک زمین تھی، وہیں جھونپڑی ڈال کر ہم لوگ رہنے لگے۔ میں اس وقت چھوٹا تھا، کشٹاپور کے ایک سرکاری اسکول میں پڑھتا تھا۔ صبح شام روزانہ آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اس سال رمضان المبارک کا مہینہ سخت گرمی میں پڑا تھا۔ کھلے میدان میں سخت دھوپ میں اس جھونپڑی کے سہارے رمضان کا مہینہ مع روزے کے ہم لوگوں نے گزارا۔ الحمد للہ کسی طرح کی کوئی دقت ہم لوگوں نے محسوس نہیں کی۔ نماز کے لیے والد صاحب پانچوں وقت مسجد جایا کرتے تھے۔

اسی زمانے میں اسٹیٹ لیول کا ایک بڑا آفیسر جس کا نام 'ایڈی' تھا، اس سے لوگوں نے والد صاحب کے متعلق الٹی پلٹی شکایتیں کی۔ اس نے والد صاحب کو بلوایا، وہ نارائن گوڑہ میں رہتا تھا، مرتبے کے اعتبار سے بڑا تھا، پانچ چھ سیکورٹی گارڈ بھی اس کے ساتھ رہتے تھے۔ اکثر دوست و احباب کا مجمع اس کے پاس لگا رہتا

تھا۔ والد صاحب پہنچے تو اس نے اپنے دوستوں کو بلایا۔ اتفاق سے وہ بھی اسی ’کاسٹ‘ کا تھا جس ’کاسٹ‘ کے والد صاحب قبل از ایمان تھے۔ اس کاسٹ کو ’گوز‘ کہتے ہیں اور دیہاتی زبان میں ’کلال‘ کہتے ہیں۔ اس کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اور غضب ناک ہوگیا۔ والد صاحب کو درمیان میں بٹھا کر کچھ سوالات کیے۔ جو سنجیدہ سوال تھا اس کا جواب والد صاحب نے دیا۔ جب اس نے تبدیلیِ مذہب کے بارے میں سوال کیا تو والد صاحب نے اس سے کہا کہ ’اس معاملے میں آپ کو دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میں کنٹراکٹر ہوں اور آپ آفیسر، اس سے متعلق جو بھی آپ سوال کریں گے، میں اس کا جواب دوں گا، مگر میری خواہش اور ذاتی معاملہ میں دخل دیں، یہ مجھے برداشت نہیں۔‘ یہ سن کر وہ اور اس کے تمام ساتھی ایک دم بگڑ گئے۔ ان لوگوں نے والد صاحب کو ڈانٹنا ڈپٹنا اور برا بھلا کہنا شروع کردیا۔ والد صاحب نے بھی تیز آواز میں کہا کہ ’آپ لوگ خاموش ہوجائیں ورنہ معاملہ بہت خراب ہوجائے گا۔‘ یہ سن کر ان کے غصے کا پارہ اور چڑھ گیا۔ آفیسر نے کہا کہ اب بس بہت گیا، اس کو پکڑو اور حجام کو بلا کر اس کی داڑھی صاف کراؤ اور اس کے کپڑے اتار کر دھوتی اور شملہ پہنا کر باہر کردو۔‘ والد صاحب نے کہا کہ ’میں اس کی بات سن کر مسکرانے لگا۔‘ اس پر ان لوگوں کو اور تعجب ہوا کہ یہ کون آدمی ہے جو اتنے بڑے آفیسر سے اتنی بے خوفی سے بات کر رہا ہے۔ ہم لوگ اتنے زیادہ ہیں اور اس کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے اور یہ تنہا اپنے خلاف بات سن کر کھڑا مسکرا رہا ہے۔ پھر والد صاحب نے تمام لوگوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ ’یہ تمھاری خام خیالی ہے جس میں تم لوگ ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتے۔ میرے ساتھ ایمان کی طاقت اور خدا کی نصرت ہے۔ اب اگر دوبارہ تم لوگوں نے داڑھی مونڈنے کی بات کی تو مجھ سے زیادہ تم لوگوں کے لیے خطرناک کوئی اور نہیں ہوگا۔‘ والد صاحب ہمیشہ اپنے ساتھ چھتری اور رومال رکھتے تھے۔ یہ بات کہی اور رومال کس کر کمر پر باندھا اور آستین اوپر چڑھا کر ان کو للکارا کہ ’جتنے تم لوگ ہو، سب اور باہر سے کسی کو بلانا ہو تو ان کو بھی بلالو اور مجھے پکڑنے کی کوشش کرکے دیکھ لو۔‘ والد صاحب کی اس بے جگری اور بے خوفی کو جب ان لوگوں نے دیکھا تو ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ قریب آنے کی ہمت نہیں کی۔ والد صاحب تھوڑی دیر کے بعد باطمینان وہاں سے باہر آگئے۔

جب اس شازش میں ناکام ہوگئے تو دوسری چال چلی۔ والد صاحب کا معمول تھا کہ فجر کی اذان سے قبل ہی مسجد چلے جاتے تھے اور عشا میں عشا کے بہت بعد نکلتے تھے۔ ان لوگوں طے کیا کہ اِنھی دونوں وقتوں میں سے کسی وقت ان پر حملہ کرا کر کام تمام کرا دیا جائے۔ بستی کے ہریجنوں کو کچھ نقد رقم اور مزید انعامات کی لالچ دے کر اس کام کے لیے تیار کیا۔ والد صاحب کی بہادری اور بے خوفی ان کے درمیان مشہور تھی اور پھر مزید بستی کے

تمام ہریجن والدصاحب کے احسان سے زیر بار تھے، اس لیے براہ راست حملہ کی ہمت نہیں کر پار ہے تھے۔والدصاحب کوان تمام شازشوں کا علم تھا،مگر پھر بھی اپنے معمول کے مطابق انہی اوقات میں مسجد جاتے یا مسجد سے لوٹتے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ ان لوگوں کو بے انتہا شراب پلائی گئی ، یہ نشے میں مدہوش عشا کے وقت گھر کے سامنے والدصاحب کا نام لے کراور مذہب کا نام لے کر برا بھلا کہنا شروع کیا۔ والدصاحب کے کان میں آواز پہنچی تو وہ باہر نکلنے کے لیے کھڑے ہوگئے۔ والدہ اور چچی نے منع کیا مگر والدصاحب نے کہا کہ ’نماز کا وقت ہوگیا ہے، میں نماز کے لیے جارہا ہوں‘ باہر کی آوازسن کر دادا، دادی بھی آگئے۔ سب لوگوں نے مل کر روکنے کوشش کی کہ ماحول ٹھیک نہیں ہے،آج گھر ہی نماز پڑھ لیجیے۔ والدصاحب نے سختی سے کہا کہ ’ایسا نہیں ہوسکتا، میں نماز کے لیے ہرحال میں مسجد جاؤں گا‘ اور وضو کے لیے بیٹھ گئے۔ والدصاحب گھر کی دوسری منزل پر رہتے تھے، جیسے ہی وضو کے لیے بیٹھے، چچی نے سیڑھی پر لگے ہوئے دروازے کو بند کردیا۔ والدصاحب چیختے رہے کہ ’جماعت کا وقت ہورہا ہے، دروازہ کھولو‘ مگر وہ دروازہ کھولنے پر راضی نہیں ہوئیں، جب جماعت کا وقت تنگ ہونے لگا تو اتنے زور سے دروازے پر لات ماری کہ دروازہ ٹوٹ گیا۔ والدصاحب باہر نکلے اور قندیل ہاتھ میں لے کر تیزی سے مسجد کی طرف لپکے، جو باہر کھڑے گالی گلوج کررہے تھے وہ دیکھتے ہی رہ گئے۔

مہینوں یہ سلسلہ چلتا رہا کہ رات میں اگر والدصاحب گھر ہوتے تو یہ لوگ گھر کے ارد گرد منڈلاتے رہتے، جیسے ہی باہر نکلتے یہ لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہوجاتے۔ جب تک مسجد میں رہتے یہ لوگ مسجد کے آس پاس بیٹھے رہتے، جیسے ہی باہر آتے یہ لوگ بہانہ کرکے اِدھر اُدھر ہوجاتے، کسی کو ہمت نہیں ہوتی کہ حملہ کرے۔ والد صاحب ان کی بزدلی سے خوب واقف تھے، اس لیے نہ کبھی ان کو روکا یا ٹوکا اور نہ کبھی ان سے بات کی۔ بس معمول کے مطابق اپنے وقت پر مسجد آتے جاتے رہے۔

ہرطرح سے لوگوں نے والدصاحب کو پریشان کرنے کی کوشش کی ،قدم قدم پر ابتلا وآزمائش میں ڈالا، غیر تو غیر ہیں رشتہ داروں نے بھی کوئی کسر باقی نہیں رکھی ۔مگر اللہ نے ہمت وحوصلہ عطا کیا تھا، ہر امتحان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو ناکام ہونے میں خدا کی مدد اور نصرت کا مشاہدہ کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج والدصاحب نہیں ہیں، مگر ان کا رعب ودبدبہ ابھی بھی بستی والوں کے دلوں پر قائم ہے۔

یہ والدصاحب کی ایمانی قوت اور رعب ہی تھا کہ انھوں نے اس بستی میں جہاں بمشکل پچیس سے تیس گھر مسلمانوں کے ہیں اور چار سو کے قریب غیر مسلموں کے ہیں،۔۔۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ ۳۳ پر)

فقہ وفتاویٰ

اذان ونماز سے متعلق چند احکام

از: مولانا مفتی ندیم الدین قاسمی*

اذان میں اشھد ان لا الہ الا اللہ پر شہادت کی انگلی اُٹھانا

سوال: موذن صاحب جب اذان دیتے ہیں اور اذان میں جب اشھد ان لا الہ الا اللہ آتا ہے تو کچھ لوگ شہادت کی انگلی اسی طرح دوزانو بیٹھ کر اٹھاتے ہیں جیسے نماز میں التحیات کے وقت اٹھائی جاتی ہے، کیا یہ عمل سنت سے ثابت ہے؟

جواب: یہ عمل نہ سنت سے ثابت ہے اور نہ کسی حدیث اور کتب فقہ میں اس کا ثبوت ہے، یہ محض من گھڑت چیز ہے، اس کو چھوڑنا لازم ہے۔ (فتاویٰ قاسمیہ 5/463)

اذان واقامت میں اشھد ان محمدا رّسول اللہ کے جواب میں درود پڑھنے کا حکم

سوال: اذان واقامت میں اشھد ان محمدا رّسول اللہ کے جواب میں درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟ سنت ہے یا مستحب ہے یا صرف ادب ہے؟

جواب: احادیث صحیحہ میں کلماتِ اذان کے جواب میں بعینہٖ اُنہی کلمات کو دُھرانے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، اس لیے اذان واقامت میں شہادتین کے جواب میں شہادتین ہی کو دہرانا مسنون ہے، درود شریف پڑھنا مسنون نہیں۔ (کتاب النوازل 3/388)

اقامت کس جگہ ٹھہر کر کہنا چاہیے۔

سوال: کیا امام کے دائیں جانب ہی ٹھہر کر اقامت کہنا ضروری ہے؟

جواب: اقامت کے لئے شرعاً کوئی جگہ امام کے دائیں، بائیں یا پیچھے متعین نہیں، بلکہ حدود مسجد میں جہاں چاہے کھڑے ہوکر تکبیر (اقامت) کہہ سکتے ہیں۔ (احسن الفتاویٰ:2/282)

نماز کے لئے زبان سے نیت کرنا

سوال: کیا نماز کے لیے زبان سے نیت کرنا ضروری ہے؟

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

جواب: نیت دل سے ارادہ اور قصد کرنے کو کہتے ہیں، اور نمازوں کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے زبان سے کہنا ضروری نہیں۔ (فتاوی قاسمیہ 5/609)

تکبیراتِ انتقالیہ

سوال: تکبیرات انتقالیہ (نماز کے ایک رکن سے دوسرے رکن میں جانے کے لئے کہی جانے والی تکبیروں) کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

جواب: تکبیرات انتقالیہ میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ انتقال کے ساتھ ساتھ تکبیر شروع کریں اور انتہا پر ختم کردیں، اور اگر انتقال کے بعد تکبیر شروع کریں تو مکروہ ہے۔ (فتاوی قاسمیہ 5/628)

دوسرا سلام پھیرنے سے پہلے حدث پیش آنا

سوال: اگر کسی شخص کو دوسری جانب سلام پھیرنے سے پہلے حدث لاحق ہو جائے (یعنی وضو ٹوٹ جائے) تو کیا ایسی صورت میں اس کی نماز مکمل ہوگی یا نہیں؟

جواب: حنفیہ کے نزدیک اگرچہ دو سلام واجب ہے لیکن جب ایک سلام کے بعد حدث لاحق ہو گیا تو نماز کے ارکان میں سے کوئی رکن باقی نہیں رہا، اس لئے نماز مکمل ہوگئ نماز کو لوٹانا ضروری نہیں۔

(فتاوی قاسمیہ 5/755)

عورت کا آدھی آستین کی قمیص پہن کر نماز پڑھنا

سوال: کیا عورت آدھی آستین کی قمیص پہن کر نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ جیسا کہ آج کل رواج چل رہا ہے، حالانکہ اپنے دوپٹے سے اپنے دونوں کہنیوں کو چھپا لیتی ہے اگر نہیں پڑھ سکتی تو جو نمازیں پڑھ چکی ہے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت کے لیے نماز کے تمام ارکان میں کہنیوں اور کلائیوں کو گٹھوں سمیت چھپانا ضروری ہے اس لیے پوری آستین کی قمیص پہن کر ہی نماز پڑھنی چاہیے، اگر آدھی آستین کی قمیص پہن کر نماز پڑھی ہے لیکن کلائیوں کو دوپٹے سے اس طرح چھپائے رکھا کے کسی بھی رکن میں وہ ظاہر نہیں ہوئی تو نماز درست ہوگئ اور اگر کسی بھی رکن میں کلائیوں کا چوتھائی حصہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے بقدر کُھلا رہ گیا تو نماز فاسد ہوگئ ایسی نماز کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے اندازہ لگا کر ایسی جتنی بھی نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ کیا جائے۔ (کتاب النوازل 3/426)